اوم

آریہ سدّھانت

آریہ سماج کی تعلیم پر

آٹھ لکچر

دیوان چند ایم۔ اے

پروفیسر دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور

...ٹیم پریس، لاہور میں بالک رام پرنٹر کے اہتمام سے چھپا

بار ... اجلد ... قیمت ...

اوم

دیباچہ

میرا خیال ہے - کہ اِن لکچروں کو پبلک کے پیش کرنے کیلئے
قسم کی معذرت کی ضرورت نہیں - جن سدھانتوں پر میں نے
لات ظاہر کئے ہیں - وہ ایسے ہیں - کہ ان پر وچار کرنا ہر ایک
دہ آدمی کا دھرم ہے - اور ممکن ہے میرے وچار کئی لوگوں
لئے مفید ثابت ہوں - جن بھائیوں کی رائے میں میرے وچار
سلّی بخش ہونگے - سمجھو ہے - اُن میں سے کوئی اِن سدھانتوں
یادہ روشنی ڈالنے کا یتن کرے - اگر میری کتاب کے نقصوں کی
سے اِس سے اچھی کتابیں لکھی جائیں - تو میں اپنی کوشش
اتنا کامیاب سمجھونگا - جتنا میں خواہش کر سکتا ہوں - جو لکچر اِس
اب میں درج کئے گئے ہیں - اُن میں سے بعض تو اُسی شکل میں
یں - جس میں یہ لاہور آریہ سماج کے سپتاہک جلسوں میں پڑھے گئے
ے - باقی لکچروں کے مضمون پر سماج میں زبانی لکچر دیئے گئے
ے - اور وہی خیالات پیچھے قلمبند کئے گئے - ان لکچروں میں
ب لگاتار سلسلہ کی اندرونی ایکتا نہیں کیونکہ پچھلے تین سالوں
کے مختلف حصّوں میں اُن کی باری آتی رہی ہے -
ں اتنا ضرور ہے - کہ پہلے چھ لکچر دو دو لکچروں کے تین جوڑے

ہیں۔ مختلف لکچروں کی طرز تحریر میں بہت سا اختلاف ہے
اور جن حالات میں یہ لکچر لکھے گئے ہیں۔ یہ اختلاف ایک قد
نتیجہ ہونا چاہیئے بعض حالتوں میں تو ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ ایک ہی
کے مختلف حصے مہینوں کے وقفوں سے لکھے گئے ہیں۔ زبان
کے متعلق ایک بڑی دقت جو میں ہر ایک تحریر میں انوبھو کرتا
یہ ہے۔ کہ پنجاب کے تعلیم یافتہ بھائی عموماً ہندی شبد
سے ناآشنا ہیں۔ اور اُن کے لئے اُردو اور بعض اوقات فا
عربی لفظوں کو بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف یہ خیا
ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کو ہندی شبدوں سے مانوس کرنے کا سا
بھی یہی ہے۔ کہ ان شبدوں کا استعمال کیا جائے۔ ان دو خیا
کے ایک ساتھ موجود ہونے کی وجہ سے کتاب کی زبان وہ
جسے کھچڑی پنجابی اُردو یا آریہ سماجی اُردو کا نام دیا جاتا
عبارت کے متعلق جو نقص میری تحریر میں ہوتے ہیں۔
کبھی اُن کے لئے شرمندہ نہیں ہوتا۔ اوّل تو زبان خیال
کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اور ہمارا دھیان زیادہ تر ا
وچاروں کی طرف ہونا چاہیئے۔ جنھیں زبان کا لباس پہنا
گیا ہے۔ دوسرے میں تو تسلیم کرتا ہوں۔ بلکہ اس امر پر ز
دیتا ہوں۔ کہ اُردو ہماری اپنی زبان نہیں ہے۔ اپنے دھار
خیالات کی اشاعت کے لئے ہم اسے مجبوراً استعمال کرتے
ہیں۔ اگر یہ وچار کسی جگیاسو کو زندگی کے بڑے بڑے مسائ
اور دھرم کے تتو کے سمجھنے میں مدد دیں۔ تو زبان کے نقصو

...ہے مجھے پرواہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ وچار جن مُدّعا کو لے کر ...قلم بند کیئے گئے ہیں۔ اُسے پُورا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ...ہونگے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جیسا مَیں نے پہلے کہا ہے۔ انھیں ...کی سیوا میں رکھتے وقت مَیں کسی معذرت کی ضرورت ...سمجھنا ؛

دیوان چند

...اینگلو ویدک کالج لاہور

...اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

لکچروں کی فہرست

پہلا لیکچر

سنسار کی پہیلی

اور

اُس کا آستک حل

سنسار کی پہیلی اور اس کے مختلف حل۔ ۲۔ ثبوت اور اس کی حقیقت۔
...ا کی ہستی اور ثبوت۔ ۳۔ سنسار کا نظام اور اس کا قیام۔ کیا نظام ناستکتا
...ن سدھ کرتا ہے؟ ۴۔ نظام کے ظہور (ا) ماتا پتر کی حالت میں (ب) بیرونی
...م اور سمرن شکتی (ج) موہ اور بیرونی دنیا کی حالت۔ ۵۔ پرماتما میں بشواس کتنا
...بت ہے؟ اس سے ہم کیا سمجھ سکتے ہیں؟ ۶۔ سنسار کا سوندریہ۔ ۷۔ اخلاقی
... اور پرماتما۔ ۸۔ دھرم اور کُشت و خُون۔ ۹۔ پرماتما میں بشواس اور عملی زندگی پر اس کا اثر

...ں ماتر کا ایک بڑا حصہ بشواس رکھتا ہے۔ کہ یہ برہمانڈ جس سے
...ف سے اپنے آپ کو گھرا ہؤا دیکھتے ہیں محض اِتّفاق کا نتیجہ
نہ ہی اس کی بناوٹ کے لئے پرکرتی اور اس کی حرکت
...ہے۔ بلکہ اس کے لئے ایک چیتن ادھشٹاتا کی ضرورت
تمام برہمانڈ کا نظام ایسا ہے۔ جو ایک مہان چیتن شکتی
انسانی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ یہ دنیا کیا ہے؟ کون اس کے

بنانے والا ہے؟ یہ سوال ہر ایک مُلک میں پُوچھے گئے ہیں۔ اور
مُلک کے سوچنے والوں نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی
پُوراتنے یونانی اس تلاش میں سرگردان رہے۔ ایک نے کہا۔
کا کارن وایو ہے۔ دوسرے نے کہا سرشٹی کا کارن جل ہے
نے آگ کو کارن بیان کیا۔ پراچین یونان کے فلاسفروں
انیکسیگورس پہلا شخص تھا جس نے کہا۔ کہ سرشٹی کے بنانے
کوئی اچیتن تت یا اچیتن تتوں کا مجموعہ کافی نہیں ہو سکتا۔
کے لئے ایک چیتن شکتی کی ضرورت ہے۔ آرسطو کہتا ہے
انیکسیگورس ہی اندھوں کے درمیان ایک دیکھنے والا تھا۔
بعد سقراط۔ افلاطون اور آرسطو جنہوں نے پراچین یونان
روشن کر دیا۔ آئے اور اُنہوں نے بھی بلند آواز سے ایشور
کی تعلیم دی۔ یورپ میں نوین فلسفہ بھی پُرانے فلسفہ کی زیر
ہے۔ آستک بھاؤ بعض اوقات اِتنے زور پر ہوتا ہے۔ کہ
کی ہستی سے اِنکار کرنے کی جگہ فلاسفر پرماتما کے سوا باقی
پدارتھوں کی ہستی سے انکار کرتے ہیں۔ اگر ناستک کہتا ہے
کوئی نہیں۔ تو فلاسفر کہتا ہے۔ پرماتما کے بغیر کوئی وستو نہیں جیو آتما
دُنیا دونوں مایا رُوپ سے ہستی رکھتی ہیں۔ آریہ ورت میں اور یورپ
سارے دیشوں میں بھی تتودرشی عموماً آستک رہے ہیں +

لیکن جہاں ہر ایک دیش میں نقارۂ خلق پرماتما کی ہستی
کرتا رہا ہے۔ وہاں ایک دھیمی سی آواز یہ بھی کہتی رہی
پرماتما کی ہستی کا خیال بے بنیاد ہے۔ پرماتما سرشٹی اور انسانوں کو نہیں

انسان پرماتما کو بتاتے ہیں - پرماتما کے متعلق جو خیال انسان
کے من میں قائم کرتا ہے - اس کے مقابل میں کوئی اصلی ہستی
نی دُنیا میں موجود نہیں - یہ آواز مغرب اور مشرق میں پراچین
ہیں سُنائی دیتی رہی ہے - اور اب بھی سُنائی دیتی ہے +

استک کہتا ہے - پرماتما کی ہستی کا ثبوت دو - میں قائل
ونگا - میں محض اعتقاد کی پرواہ نہیں کرتا - مجھے ثبوت کی
ت ہے - اس مطالبہ میں مجھے شک پڑتا ہے - کہ ناستک
کی ماہیت کو نہیں سمجھتا - اور ایک مہمل سا خیال اس
دل میں بیٹھا ہوا ہے - کہ ثبوت اعتقاد سے اُونچا درجہ رکھتا
بعض حالتوں میں ثبوت محض اعتقاد سے درحقیقت اُونچا
رکھتا ہے لیکن اگر غور کریں - تو معلوم ہوگا - کہ ہر ایک
کی بُنیاد ایک اعتقاد پر ہے - وہ اعتقاد ثبوت کی تہ میں ہے
لئے اس کا درجہ ثبوت سے بلند ہے - کسی بات کو ثابت کرنے
معنے یہ ہوتے ہیں - کہ اُسے ایک ایسی دوسری بات کے
ن ظاہر کیا جائے - جسے ہم پہلے درست مانتے ہیں - اگر
دوسری بات کا ثبوت مانگا جائے - تو ہمیں اسے ایک
بات کے مطابق ظاہر کرنا ہوتا ہے - جو مانی جاتی ہے - اگر
طرح آگے چلے جائیں - تو ہم ایسے اصولوں پر پہنچ جاتے
جن کا ثبوت دینا ممکن نہیں - وہ سب ثبوتوں کی بنیاد میں
تے ہیں - ایسے اصول اپنا پرمان اپنے اندر رکھتے ہیں - جو
ں ثابت کی جاتی ہیں - وہ اپنے آپ پر منحصر نہیں رکھتیں -

اُنکا ثبوت دینے سے مُراد یہی ہوتی ہے - کہ ہم اُن کو کسی خاص اصُول کے ساتھ جسے ہم آخری مانا ہؤا اصول سمجھتے ہیں مطابق ظاہر کر رہے ہیں - اگر وہ اصُول درحقیقت آخری اور شک سے پرے نہیں - بلکہ غلط ہے - تو ہماری ثبوت شدہ بات کی بُنیاد ریت پر ہے اور وہ غلط ہے - ان آخری اصُولوں کے آخری اور شک سے پرے ہونے میں کیا دلیل ہے؟ کسی معمولی طریق سے ہم انھیں ثابت نہیں کر سکتے - اپنے گُن اور سُبھاؤ سے ہی وہ کسی ثبوت کے ناقابل ہیں - ہم محسُوس کرتے ہیں کہ وہ صحیح ہیں - ہم اُن کے غلط ہونے کا خیال ہی نہیں کر سکتے - اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا جاسکتا +

کسی بات کا ثبُوت نہ ہونا اس کے غلط ہونے کی دلیل نہیں - نہ ہی اس بات کے لئے کافی ہے - کہ ہم اس میں یقین کرنے سے انکار کر دیں - ہر ایک شخص جو ثبُوت مانگتا ہے - خود ایسی باتوں میں یقین کرتا ہے - ثابت کرنے کی شکتی کا ہر ایک کام ظاہر کرتا ہے - کہ وہ شکتی دوسری شکتیوں پر کتنا نربھر رکھتی ہے - یہ بحث محض بال کی کھال اُکھیڑنا نہیں - جن باتوں کو ایک شخص ایسا صاف خیال کرتا ہے - کہ ان میں شک ہی نہیں ہو سکتا - اُنھیں دوسرا بالکل غلط خیال کرتا ہے - عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کا من ان کے دماغ میں ہے - ان کا دماغ ان کے سر میں ہے - ان کا سر اور جسم دُنیا میں ہے - مایا وادی کہتا ہے - کہ دُنیا جسم سر اور دماغ سب کچھ من کے اندر ہے - عام خیال کا انسان یہی کہہ سکتا ہے - کہ یہ چیزیں اُس سے باہر معلوم ہوتی ہیں - مایا وادی

کا جواب ہے - کہ جو چیز باہر معلوم ہوتی ہے ضروری نہیں - کہ وہ باہر ہو - سوپن میں بھی تو کئی چیزیں جن کی کوئی بیرونی ہستی نہیں ہوتی - باہر پرتیت ہوتی ہیں - اسی طرح بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو کم از کم اپنے فلسفہ میں یہ مانتے ہیں - کہ سارے سنسار میں ان کے بنا کوئی جڑ یا چیتن پدارتھ نہیں - ان کا آتما ہی اکیلا آتما ہے - دیگر انسان یا چیزیں جو دکھائی دیتی ہیں - محض اُن کے من کی کلپنا ہیں - مجھے معلوم نہیں - کہ اس خیال کی تردید میں کبھی کوئی کافی مضبوط دلیل دی گئی ہو +

جب ناستک پرماتما کی ہستی کا ثبوت مانگتا ہے - تو وہ فرض کر لیتا ہے - کہ کوئی اور ایسے اصول ہیں - جنہیں بنیادی اصول کہا جا سکتا ہے - جن کے درست ہونے میں شک کرنا کافر بننا ہے - اسکا مطالبہ یہ ہوتا ہے - کہ ہم پرماتما کی ہستی کو ان اصولوں یا ان میں سے کسی اصول کے مطابق ظاہر کر دیں - ہم پوچھتے ہیں - کہ اس کے پاس یہ ماننے کی کیا وجہ ہے - کہ کوئی اور ایسے اصول ہیں جو پرماتما سے زیادہ ماننے کے یوگیہ ہیں - لوگ پرماتما کو دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں - وہ یہ فرض ... کے لئے آنکھ شہادت دیتی ہے - اس ... حالانکہ ہم انگنت حالتیں ایسی دیکھ ... ہی قابل اعتبار نہیں ہوتی +

ایک اور خیال بھی اسی تعلّق میں ظاہر کرنا ضروری ہے - ناستک چاہتا ہے - کہ ہم اسے پرماتما کی ہستی کا ثبوت دیں - وہ یہ فرض کرتا

ہے۔ کہ ثبوت کرنے والی اور دلیل دینے والی شکتی اس قابل ہے
کہ پرماتما کو جان سکے۔ ممکن ہے یہ خیال ہی غلط ہو۔ کم از کم
دُنیا کے مشہور فلاسفر ایسا سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ پرماتما کی ہستی
سے اِنکار نہیں کرتے۔ انسان کی دلیل کرنیکی شکتی Intellectual
Consciousness ان لوگوں کے خیال کے مطابق ظہوروں کی
پڑتال اور اُن کے درمیان رشتہ قائم کرنے سے پرے نہیں
جاسکتی۔ اس کا احاطہ کام سائنس کے مطالعہ کے ساتھ
ختم ہو جاتا ہے۔ جو ست پدارتھ ہیں ان کا جاننا اس شکتی کا کام
نہیں۔ پرماتما ایک ایسے پدارتھ ہیں۔ اس لئے لفظ ثبوت کے
عام معنوں میں ان کی ہستی کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ جرمنی کا مشہور
فلاسفر کانٹ ایسا سمجھتا ہے۔ لیکن وہ ناستک نہیں۔ بلکہ آستک
ہے۔ آریہ ورت کا مشہور فلاسفر کپل ایسا سمجھتا ہے۔ لیکن وہ
ناستک نہیں۔ اس کا دعوے وہی ہے جو کانٹ کا ہے۔ دونو
کہتے ہیں۔ ایشور کی ہستی کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ لیکن کانٹ اور
کپل دونوں میں سے کسی کے مُتعلّق یہ کہنا کہ وہ ناستک ہے۔
اَست کہنا ہے۔ اور ان کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ اگر میں
یہ کہتا ہوں۔ کہ میں تمہاری آواز کو دیکھ نہیں سکتا۔ یا تمہارے
چہرہ کی رنگت کو سُونگھ نہیں سکتا۔ تو میں آواز اور چہرہ کی رنگت
کی ہستی سے اِنکار نہیں کرتا۔ بلکہ کیول یہ کہتا ہوں۔ کہ گیان کا جو
سادھن میں نے استعمال کیا تھا۔ وہ غلط سادھن تھا *
۳۔ پرماتما کی ہستی کو ہم انوبھو کرتے ہیں۔ اور اگرچہ عام معنوں میں

اس ہستی کا کوئی ثبوت نہیں دیا جاتا - تاہم بعض ایسے نشان بیرونی جگت اور انتریہ جگت میں دکھائی دیتے ہیں - جو ہمارے انوبھو کی پشٹی کرتے ہیں - جو ظاہر کرتے ہیں - کہ جو کچھ ہم انوبھو کرتے ہیں وہ واستو میں ایک ستّ پدارتھ ہے - پہلے بیرونی جگت کو ہی لیں - یہ سرشٹی کتنی مہان ہے؟ ایک وقت تھا - جبکہ اسلام اور عیسائی مذہب کی تعلیم کے اثر سے لوگ خیال کرتے تھے - کہ آسمان پر جو سیّارے اور ستارے دکھائی دیتے ہیں - وہ بالکل بے حقیقت ذرّے ہیں - جو ہماری پرتھوی کو روشنی دینے کے لئے چمک رہے ہیں - اب سائنس نے بتا دیا ہے - کہ سرشٹی کتنی مہان ہے - اور ہماری زمین کی کیا حقیقت ہے - جن سیّاروں اور ستاروں سے سارا آسمان بھرا ہؤا ہے - وہ بے حقیقت ذرّے نہیں - بلکہ اِتنے اِتنے بڑے گُرّے ہیں - کہ ہماری زمین ان کے مقابلہ میں ایک بے حقیقت ذرّہ ہے - سُورج ہماری زمین سے لاکھ گُنا ہے - تھوڑا عرصہ ہُؤا ہیلی کا دُمدار سیّارہ آسمان پر ظاہر ہُؤا تھا - اُس کی دم میں لاکھوں سُورج سما سکتے تھے - ہیلی کا سیّارہ بھی برہمانڈ کا ایک خفیف ٹکڑہ تھا - جتنی حیثیت ایک ریت کے دانہ کی ایک صحرا میں ہوتی ہے - اِتنی حقیقت بھی ہمارے سُورج کی برہمانڈ میں نہیں - سائنس نے سرشٹی کے مہانتا کو ہی پرگٹ نہیں کیا - بلکہ یہ بھی ظاہر کیا ہے - کہ اس سارے جگت میں ایک ہی قانون کام کر رہا ہے - وہی قانون جو ایک گیند کو زمین پر لے آتا ہے - ہیلی کے دمدار سیّارہ کو بھی پچھتر سال کے

سفر کے بعد ہماری زمین کے نزدیک لے آتا ہے۔ اگر ایک ہی قانون کا راجیہ نہ ہوتا۔ تو آسمان کے کُرّوں کے متعلق جو پیشینگوئیاں انسان کرتے ہیں۔ اِنکا کرنا اسمبھو ہوتا۔ اور وہ کبھی پوری نہ ہوتیں۔ سارے برہمانڈ میں ایک ہی اِنتظام ہے۔ ایک ہی قانون سارے جگت میں راجیہ کرتا ہے۔ سائنس کے بُنیادی اصُولوں میں یہ ایک اصول ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا اس سارے نظام کی تہ میں کسی چیتن شکتی کا ہاتھ ہے۔ یا یہ سارا پرکرتی کی اندھی بلا مقصد حرکتوں کا نتیجہ ہے؟ ناستک کہتا ہے۔ کہ پرکرتی کے اجزا حرکت کرتے ہوئے اتّفاق سے ایسی شکل میں ظاہر ہو گئے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا یہ جواب تسلّی بخش ہے یا نہیں۔ ایک شخص اس لکچر کو دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس لکچر کا لکھنے والا کوئی انسان ہے یا یہ محض اِتفاقیہ چھینٹوں کا مجمُوعہ ہے۔ پاس سے ایک شخص اُسے کہتا ہے۔ کہ قلم سے سیاہی کو اگر گرایا جاوے۔ تو سیاہی ممکن ہے اس شکل (مُنش) میں گرے۔ پھر چھینٹا دیا جائے۔ تو ممکن ہے (ما) کی شکل میں گرے۔ اور بعد کے چھینٹے بھی اتّفاق سے تر ہ کا۔ ایک۔ بڑا حصّہ وغیرہ کی شکل میں گریں۔ اور ان چھینٹوں کے گرنے سے شکلیں اتفاق سے بنتی ہیں۔ وہ ایسی ہوں اور ایسی ترتیب سے واقع ہوں کہ ان کا مجمُوعہ ایک خاص مضمون پر ایک لکچر بن جائے۔ اس حالت میں ایک سادھارن انسان کہیگا۔ کہ لکچر کسی خاص شخص نے خاص مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ یہ نشان محض اِتفاقیہ

نشان نہیں۔ بلکہ ایک چیتن شکتی کے اتر یہ بھاووں کے پرکاش کیلئے
ڈالے گئے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے لئے سوچ سکتا ہے۔ کہ یہ سمادھان
کتنا تسلّی بخش ہے۔ یہ ممکن ہے۔ کہ ایک چھینٹا اِتّفاق سے ایک
لفظ کی شکل میں گر پڑے۔ لیکن یہ اغلب نہیں۔ کہ اتّفاق سے
گرے ہوئے چھینٹے ایک مسلسل کتاب بنا دیں۔ یہ ممکن ہے۔ کہ
چھاپہ خانہ کے کچھ حرف گر کر ایک لفظ بنا دیں۔ لیکن یہ اغلب
نہیں۔ کہ چھاپہ خانہ کے ملازم کے ہاتھ سے اکھشر گر کر محض
اِتّفاق سے گیتا کے اٹھارہ ادھیائے بنا دیں۔ جتنی لمبی کتاب
ہوگی۔ اور جتنی گٹھت اُس میں زیادہ ہوگی۔ اُتنا ہی ہم مجبور ہونگے
کہ اسکے بنانے کے لئے کسی چیتن شکتی میں بشواس کریں۔ برہمانڈ
کے متعلق ہم نے دیکھا ہے۔ کہ یہ کتنا مہان ہے۔ اور اُس کا انتظام
کیسا ادبھت ہے۔ کیا اتنے بڑے برہمانڈ کا انتظام ایک
اندھی حرکت سے ہو سکتا ہے؟ اسکے علاوہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ انتظام فقط
ایک لمحہ کے لئے ہی دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ قائم رہتا ہے۔ اگر ہم
یہ بھی فرض کر لیں۔ کہ پرکرتی کی حرکتوں سے اِتّفاق سے موجودہ
نظام پیدا ہو گیا ہے۔ تو یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ یہ انتظام
جاری کس طرح رہ سکتا ہے؟ اچیتن مادّہ میں تو یہ شکتی نہیں۔ جہاں
اتفاق کا راجیہ ہے۔ وہاں محض گڑبڑ ہوگی۔ گڑبڑ کی
حالتوں میں ایک حالت ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ جسے نظام
کہہ لیں۔ لیکن اگر وہ حالت جاری رہے۔ تو گڑبڑ کا وجود ہی
نہیں رہتا۔ **نظام اور اس کا قیام محض اتفاق کا نتیجہ**

نہیں ہو سکتا +

شاید یہ کہا جاوے - کہ جب ایک دفعہ اتفاق سے چھاپہ خانہ کے ملازم کے ہاتھ سے حروف گر کر گیتا بنا دیتے ہیں - یا پہ چھینٹے مل ملا کر میرا لکچر تیار کر دیتے ہیں - تو وہ لکچر بنا رہتا ہے - کتاب اسی حالت میں رہ سکتی ہے - جو خیال برہمانڈ کے متعلق اس وقت آستک اور ناستک دونوں قسم کے وِدوان رکھتے ہیں - وہ ایسے سمادھان کو قبول نہیں کر سکتا - سرشٹی ایسی چیز نہیں جو ایک جگہ کھڑی رہے - بلکہ ہر لمحہ اس میں تبدیلی ہو رہی ہے - اور اس وقت کا جگت ایسا ہے - کہ نہ کبھی ایسا ہوا ہے - نہ ایسا ہوگا - پہلے جگت کو ایک گھڑی سے تشبیہ دی جاتی تھی - جس کی بناوٹ ایک کاریگر کا پتہ دیتی ہے - اب اسے ایک پھول سے تشبیہ دیجاتی ہے - جس کے جیون میں شروع سے لیکر اخیر تک تبدیلی ہو رہی ہے - لیکن جو تبدیلی ایسی ادھیت اور قانون کے تابع ہے - کہ وہ کسی چیتن شکتی کے اشر ہوئے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتی - ناستک کے لئے یہی کافی نہیں - کہ وہ ہمیں یقین دلا دے کہ سرشٹی کی زندگی میں ایک خاص وقت میں اتفاق نے نظام اور قانون کا راجیہ پیدا کر دیا ہے - بلکہ یہ بتانا بھی ضروری ہے - کہ وہی اتفاق یا اندھی طاقت اس نظام اور قانون کے راجیہ کو جاری رکھتی ہے - اپنی کتاب کی مثال لے کر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں - کہ آیا چھاپہ خانہ کے ملازم کے ہاتھ سے اکھشروں کی ٹوکری گر کر ہمیشہ گیتا اور گیتا ہی بنا سکتی ہے ؟ یا ہر روز اتفاقیہ چھینٹے

میرا موجودہ لیکچر اور یہی لیکچر تیار کر سکتے ہیں؟ میرا خیال ہے۔ کہ جو لوگ اپنے کام کا بوجھ اِتفاق پر رکھتے ہیں۔ وہ اِتفاق کی گردن توڑ دیتے ہیں۔ اِتفاق اتنا بوجھ اُٹھانے کے ناقابل ہے ÷

بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ دُنیا میں قانون اور نظام کا وجود کسی چیتن ہستی کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ بلکہ اگر قانون کا راجیہ موجود نہ ہو یا جاری نہ رہے۔ تب ہمیں کسی چیتن ادھشٹاتا شکتی کی ہستی ماننے کی ضرورت پڑیگی۔ یہ خیال فرانس کے فلاسفر آگسٹ کامٹ کا ہے۔ جب میں اس خیال پر وچار کرتا ہوں۔ تو انسانی طبیعت کی فضولیات اور نشیب پروازیوں پر حیران ہوتا ہوں۔ کامٹ کے خیال کے مطابق اگر امتحان کے کمرہ میں بالکل چپ چاپ کام ہو رہا ہے۔ تو یہ اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ کوئی شخص امتحان دینے والوں کا نگراں نہیں۔ اگر وہاں شور مچ رہا ہے۔ اور طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ تو سمجھنا چاہئے۔ کہ نگرانی ہو رہی ہے۔ اگر ملک میں شانتی ہے۔ تو اُسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہاں کوئی گورنمنٹ نہیں۔ اگر ہر طرف سے لڑائی جھگڑے کشت و خون گڑبڑ اور بغاوت کی آواز آتی ہے۔ تو سمجھ لو کہ ایک مضبوط گورنمنٹ راجیہ کرتی ہے۔ کامٹ کا نام ایک بڑا نام ہے۔ اور ممکن ہے بڑے ناموں کی پرستش کرنے والے اس کی رائے کے سامنے بغیر سوچے سمجھے سر جھکا لیں۔ لیکن میں تو یہی دیکھتا ہوں۔ کہ جب تک میں جماعت کے کمرہ سے باہر ہوتا ہوں میرے طالبعلم دوست اتنا

شانت نہیں ہوتے۔ جتنا میری موجودگی میں۔ کمرہ کے باہر بھی میری موجودگی کا خیال شاید اُنھیں کسی حد تک شانت رکھ سکتا ہے لیکن جب میں اس شانتی کا خیال کرتا ہوں۔ جو فلسفہ کے کمرہ میں میری علیحدگی کے بعد ہوگی۔ جبکہ کوئی اَور آدمی بھی یہ کام نہیں کریگا۔ تو مجھے کامٹ کی رائے کی وقعت اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے +

دُنیا میں قانون قدرت کا راجیہ ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں۔ کہ پرماتما دنیا سے غیر حاضر ہیں۔ یا جیسا بعض آستک خیال کرتے ہیں دنیا سے پرے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ نظام اس لئے ہے۔ کہ پرماتما دُنیا کے اندر موجود ہیں۔ دُنیا کی کل کو چلا رہے ہیں۔ اور اس کے ہر ایک ذرّہ کو جیون دے رہے ہیں +

۴ (۱) اس نظام کی ایک ادبھت شکل یہ ہے۔ کہ سرشٹی کے مختلف حصے آپس میں مل کر ایک ہی نتیجہ پیدا کرنے کے لئے کام کرتے ہیں ماتا بچے کو جنتی ہے۔ اس وقت بچے کے لئے ایک خاص قسم کی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ خوراک ماتا کے سھتنوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر وہ خوراک ماتا کے سھتنوں میں اس وقت نہ ہو۔ تو بچّہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن ماتا کے سھتنوں میں دُودھ ہونے کے علاوہ اس بات کی بھی ضرورت ہے۔ کہ بچہ میں دُودھ چُوسنے کی قابلیّت ہو۔ یہ قابلیّت بچّہ میں پیدائش کے سمہ سے ہی ہوتی ہے۔ یہ قابلیّت دُودھ کے بنا نشپھل ہے۔ اور دودھ اس قابلیّت کے بنا نشپھل ہے۔ کیسا ادبھت انتظام ہے۔ کہ ادھر ماتا کے سھتنوں میں دودھ مُہیّا کیا گیا ہے۔ اُدھر اِس

انتظام سے فائدہ اُٹھانے کے لئے بچّے میں دُودھ چُوسنے کی شکتی اُتپن کی گئی ہے؟ ماتا اپنی شکتی سے یہ دودھ پیدا نہیں کرتی۔ اُسے تو گیان بھی نہیں ہوتا۔ کہ یہ دودھ کس طرح بن سکتا ہے۔ دُودھ بنانے کا تو ذکر ہی الگ رہا۔ بچّہ خُود چوسنے کی شکتی کو اُتپن نہیں کرتا یہ اُسے ملتی ہے۔ بچّہ اور ماں دونوں ایک طرح سے ایک خاص مقصد کے لئے (بچّہ کی زندگی کے قیام کے لئے) استعمال ہوتے ہیں۔ اور استعمال کرنے والی شکتی ان دونوں سے جُدا ان دونوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

(ب) اندرونی دُنیا اور بیرونی دُنیا میں بھی ایک اوبھت مطابقت پائی جاتی ہے۔ گیان اندریاں اپنا کام کر سکتی ہیں۔ کیونکہ جس سنسار میں ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کا سنسار ہے۔ آنکھ میں دیکھنے کی طاقت ہے۔ تو بیرونی دُنیا میں روشنی کی شعاعیں موجود ہیں۔ کانوں میں سننے کی شکتی ہے۔ تو بیرونی دنیا میں ہوا میں حرکت موجود ہے۔ اس سے پرے اگر جائیں تو بھی معلوم ہوگا۔ کہ انسانی من کی عادات اور خواص بیرونی دنیا کے ساتھ ایک خاص اور حیرت انگیز مطابقت رکھتے ہیں سائینس دانوں سے پوچھو تو وہ بتائیں گے۔ کہ تمام سائینس کی تہ میں یہ دو اصول ہیں اول۔ ہر ایک کاریہ کا کارن ہے دوسرے جب ایک کارن ایک خاص کاریہ کو اُتپن کرتا ہے۔ تو اُنھیں حالات میں وہ کارن اسی کاریہ کو پھر بھی اُتپن کریگا۔ اگر آج آگ موم کو پگلاتی ہے۔ تو ہمیشہ پگلائیگی۔ اگر آج زہر انسان کو مار دیتا ہے۔ تو اور حالات کے نہ بدلنے کی حالت میں ہمیشہ انسان کو ماردیگا۔ مانسک جیون کے مُتعلق

ایک بڑا قانون یہ ہے۔ کہ جو اثر ایک دفعہ من پر ہوتا ہے۔ وہ زائل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنے پیچھے ایک انشان چھوڑتا ہے۔ یہ نشان اگر کئی بار کیا جاوے۔ تو وہ اثر ہمارے مانسک جیون کا ایک حصّہ بن جاتا ہے۔ ایک شخص کو میں دیکھتا ہوں۔ اس سے میرے من میں اثر ہوتا ہے۔ وہ شخص میرے سامنے سے چلا جاتا ہے۔ میرا انوبھو بالکل زائل نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کا نشان باقی رہتا ہے۔ اگر پھر وہی شخص میرے سامنے آتا ہے تو مجھے اجنبی نہیں پرتیت ہوتا۔ نیا انوبھو پرانے نشان سے ملتا ہے۔ اور میں اس شخص کو پہچانتا ہوں۔ اگر میں اُسے بار بار دیکھتا ہوں۔ تو اُسے نہ پہچاننا اسمبھو ہو جاتا ہے۔ اسی سے سمرتی (قوّت حافظہ) پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح بیرونی دُنیا کے متعلّق کارن کاریہ کا دائمی سمبندھ ایک پرسدّھ قانون ہے۔ اسی طرح مانسک دُنیا میں سمرتی کا ہونا ایک پرسدّھ نشان ہے۔ کیا ان دونوں قانونوں کا ہونا کسی خاص مطابقت کا اظہار کرتا ہے؟ سمرتی نہ ہو۔ تو ہمارا جیون قائم نہ رہ سکے۔ آج میں آگ میں ہاتھ ڈالتا ہوں۔ میرا ہاتھ جل جاتا ہے۔ مجھے پیڑا ہوتی ہے۔ کل میں پھر اگنی کو دیکھتا ہوں۔ اس کا سوندریہ لُبھائمان ہے۔ پرنتو مجھے آج کی پیڑا یاد ہے۔ میں ہاتھ پیچھے رکھتا ہوں۔ کل بھوک لگی تھی۔ میں نے روٹی کھالی تھی۔ اور بھوک دور ہو گئی تھی۔ اگر مجھ میں سمرتی نہ ہو۔ تو آج بھوک کے وقت مجھے معلوم نہ ہو کہ بھوک مٹانے کے لئے تالی بجانا چاہئے

ہنسنا چاہیئے۔ یا کھانا کھانا۔ اور کھانا کھانے کے متعلّق یہ معلوم نہ ہو
کہ وہ مُنّہ میں ڈال کر معدہ تک پُہنچایا جا سکتا ہے۔ یا کان میں
ڈالنے سے یا پاؤں میں باندھنے سے۔ شروع میں ہمارے ماتا پتا
ہماری مدد کرتے ہیں۔ اور پھر سمرتی شکتی ہماری رکھشا کرتی
ہے۔ اسی کی مدد سے ہم مفید چیزوں کو گرہن کرتے ہیں۔ اور
ہانی کارک چیزوں سے بچتے ہیں۔ اب فرض کرو۔ کہ ہر روز بھوک
کھانا کھانے سے نہیں مٹتی۔ بلکہ ایک دن کھانا کھانے سے دوسرے
دن ناچنے سے۔ تیسرے دن تالی بجانے سے۔ چوتھے دن دس تک
گننے سے۔ پانچویں دن نیائے سوتروں کا بھاشیہ کرنے سے اینادی
اس حالت میں کارن کاریہ کا کوئی مستقل سلسلہ دُنیا میں نہیں ہوگا۔
آج ایک کارن ایک کاریہ کو اُتپن کریگا۔ کل وہی کارن اس کاریہ
کو اُتپن کرنے میں اشکت ہوگا۔ دُنیا نظام کی جگہ نہیں ہوگی۔ بلکہ
گڑبڑ کا گھر ہوگا۔ ایسی حالت میں سمرتی شکتی میرے کس کام آسکیگی؟
ایسی حالت میں مجھے اس یاد سے متعلّق کوئی فائدہ نہیں پہنچیگا۔
کہ ایک خاص موقعہ پر کھانا کھانے سے بھوک مٹتی تھی۔ یا آگ
میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ جل گیا تھا۔ ہماری سمرن شکتی ہمارے
لئے جبھی مفید ہو سکتی ہے۔ جبکہ دُنیا میں قانون کا راجیہ ہو۔
کارن کاریہ کا ایک مستقل سلسلہ قائم ہو۔ جبکہ دنیا نظام کا گھر ہو
گڑبڑ کی جگہ نہ ہو۔ دوسری طرف اگر دنیا میں نظام ہو۔ لیکن ہم یاد
نہ رکھ سکتے ہوں۔ تو اس نظام کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں
ہر روز سیکھنا پڑے۔ کہ کھانا کھانے سے بھوک مٹتی ہے۔ کھانا

مُنہ سے کھایا جاتا ہے۔ چلنا کس طرح آسکتا ہے؟ ماتا کون ہے؟ ایسی چند معمولی باتیں ہر روز ہمیں سیکھنا پڑیں۔ اور اگر ہماری زندگی قائم رہے۔ تو بھدّے طریق سے ان باتوں میں خرچ ہو جائے۔ یہ ایک عجیب مطابقت ہے۔ کہ بیرونی دنیا میں نظام ہے۔ کارن کاریہ کا مستقل سلسلہ ہے۔ اور اندرونی جگت میں سمرن (یادداشت) شکتی ہے +

(ج) ایک اَور بات کو لیں۔ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے آپ کو پیار کرتا ہے۔ اپنے جسم کی رکھشا کرنا چاہتا ہے۔ جب اس کا معدہ خالی ہوتا ہے۔ تو اس میں اناج پانی ڈالتا ہے۔ جب سردی میں ننگا ہوتا ہے۔ تو جسم کو ڈھکتا ہے۔ یا آگ اور دُھوپ سے گرم کرتا ہے۔ اپنے جسم کے لئے موہ ہماری مانسک جیون کا ایک خاصہ ہے۔ کیا بیرونی جگت میں ایسی کوئی بات ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارا یہ خاصہ ضروری ہے؟ جس جگت میں ہم رہتے ہیں۔ وہ ایسا ہے۔ کہ زندگی کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہر ایک شخص کو زندگی قائم رکھنے کے لئے کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص اپنے جسم میں کوئی دلچسپی نہ لے۔ بلکہ اَوروں کے جسموں کے متعلق زیادہ فکر کرے۔ اپنا معدہ خالی ہونے کے وقت دانہ پانی کی تلاش نہ کرے۔ بلکہ اَوروں کے معدوں کے خالی ہونے کے وقت ایسی تلاش کرے۔ اپنا جسم کانپنے کے وقت آگ دُھوپ یا کپڑے کی فکر نہ کرے۔ بلکہ اور جسموں کے کانپنے کے وقت یہ فکر کرے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ ایسے شخص کی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہمارے

من میں اپنے جسم کے ساتھ موہ موجود ہے۔ کیونکہ بیرونی دُنیا اِس قسم کی ہے۔ کہ ایسے موہ کے بِنا ہمیں جینے نہیں دیتی۔ جو شخص اَوروں کی سیوا میں اپنا جیون وتیت کرنا چاہتا ہے۔ اسے بھی اپنے کام کی دُنیا وایسے موہ پر رکھنی چاہئے۔ خواہ اس موہ کی مقدار کتنی ہی محدود ہو۔ اندرونی جگت اور بیرونی جگت میں یہ ایک عجیب مطابقت ہے +

اس قسم کی مطابقت کی طرف عام لوگوں نے کبھی دھیان نہیں کیا۔ لیکن جن تتو درشیوں نے اس کی طرف دھیان دیا ہے۔ ان کی حالت میں یہ ممکن نہیں۔ کہ وہ اسے نظر انداز کر سکیں۔ ہربرٹ سپنسر جیسے کئی لوگ شائد ناستک خیال کرتے ہوں۔ اس مطابقت سے متاثر ہؤا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اندرونی اور بیرونی جگتوں کی تہ میں جو اصول کام کرتا ہے۔ وہ ایک ہی ہے۔ یہ سپنسر کا absolute ہے سپنسر کہتا ہے۔ کہ یہ شکتی اننت اور انادی ہے۔ یہ ایک ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور بھی کئی فلاسفر ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کہ یہ سب لیلا اُسی ایک کی ہے۔ جس کی اپنی ذات کے متعلّق ہم اس کے سوائے کچھ نہیں جان سکتے۔ کہ وہ اس قسم کی لیلا کر رہا ہے۔ دُنیا کا نظام اس قسم کا ہے۔ اس کے مختلف حصّوں میں اس قسم کی مطابقت ہے۔ کہ اکثر فلاسفر بجائے ناستک ہونے کی آستکتا کے دوسرے سرے تک پہنچ گئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پرماتما ہی سب کچھ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ خیال درست نہیں لیکن اس میں سچّائی کا ایک بڑا قیمتی جزو ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس سرشٹی سے جو سراسر نظام ہے۔ ہم پرماتما کو خارج نہیں کر سکتے۔

ارسطو کہتا ہے۔ انکسیگورس ہی اندھوں کے درمیان ایک دیکھنے والا ہے۔ کیونکہ اس سرشٹی کی بناوٹ کو سمجھنے کے لیئے وہ آکاش جل پرتھوی آدی جڑھ پدارتھوں سے پرے جاتا ہے۔ اور ایک چیتن فکتی پر نربھر رکھتا ہے۔ شوتیا شوتر اوپ نشد میں کہا ہے :-

"پڑھے لکھے آدمی بھی اودّیا کے جال میں پھنس کر پرکرتی کو یا کال کو اس سنسار کا کارن بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ پرماتما کی بزرگی ہے۔ جس سے یہ سنسار چکّر گھوم رہا ہے"۔

"یہ سنسار جو پرتھوی جل وایو اگنی آکاش کہلاتا ہے۔ اُسی برہم کی آگیا سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو ساری سرشٹی کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ جو چیتن ہے۔ کال جس کے وش میں ہے۔ سارے گُن اور گیان جس میں موجود ہیں"۔

"اُسی پرماتما کو۔ جو مالکوں کا مالک۔ دیووں کا دیو۔ حاکموں کا حاکم اور سب سے بڑا ہے۔ پرتھوی کا مالک قابل پرستش سمجھنا چاہئیے"۔

"وہی ایک پرماتما ہے۔ جو سب پدارتھوں میں گُپت (چھپا ہوا) ہے۔ ہر جگہ ویاپک ہے۔ ساری چیزوں کے اندر آتما ہے۔ سارے کاموں کو دیکھتا ہے۔ ساری چیزوں میں نواس کرتا ہے ساکھشی اور گیان والا ہے۔ جو ادویتہ (اکیلا) ہے۔ اور صفات سے خالی ہے"۔

"نتیوں میں وہ خاص کر نتیہ ہے۔ جاننے والوں میں وہ خاص کر جاننے والا ہے۔ وہ ایک ہے۔ پرنتو بہتوں کی چیشٹاؤں کو پورا کرتا

ہے۔ وہ جس نے اس کارن کو جان لیا ہے۔ جو سانکھ اور یوگ سے جانا جاتا ہے۔ تمام بندھنوں سے مُکت ہو جاتا ہے"۔

۵ - اوپر ہیں نے تفصیل سے اس مطابقت کا ذکر کیا ہے۔ جو انسانی من اور بیرونی دنیا میں پائی جاتی ہے۔ مسئلہ ایوولیوشن کے ماننے والے ایسی مطابقت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اگر اس وقت تمام روشنی ناش ہو جائے۔ تو خیال ایوولیوشن کے مطابق آہستہ آہستہ ہماری آنکھیں جاتی رہینگی۔ جس اندری کے لئے کوئی کام نہیں۔ وہ فضول پڑی نہیں رہتی۔ جب کوئی خاص کام نکل آتا ہے۔ تو اندری حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایک خیال انسانی من میں مضبوطی سے گڑا ہے۔ تو اغلب یہ ہے۔ کہ اس خیال کے مقابل میں ایک امر واقعہ بیرونی دُنیا میں موجود ہے پرماتما کی ہستی کا خیال دُنیا میں موجود ہے۔ اور یہ خیال کسی خفیف حصہ تک محدود نہیں۔ نہ ہی ایک خاص زمانہ اور ایک ملک کا ہے۔ بلکہ ہر زمانہ میں اور ہر ایک مُلک میں اس خیال کے ماننے والے موجود رہے ہیں۔ پرماتما کے سوُروپ کے متعلق اختلاف رہتا ہو۔ لیکن اس میں ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔ کہ ہم سے ایک زیادہ طاقتور اور قابل پرستش شکتی موجود ہے۔ اگر کسی برہم چارک نے ایسی شکتی کے ہستی سے انکار کیا۔ تو خود اسی کو اس کے شاگردوں نے ایسی شکتی تسلیم کر لیا۔ فرق فقط یہ تھا۔ کہ ان لوگوں سنے ایک چلتے پھرتے انسان کو خدا مان لیا۔ اگر پرماتما کی ہستی کا بشواس ایسا عام ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں برسوں سے

اِنسانی آتما کا ایک پرسِدّھ چنہہ رہا ہے۔ تو ہمیں ماننا پڑتا ہے۔ کہ اِس بِشواس کی مطابقت کے لئے ایک امر واقعہ بھی موجود ہے۔ خِسک جو مسئلہ ایوولیوشن کے برگزیدہ پرچارکوں میں سے ہے۔ لکھتا ہے کہ پرماتما کی ہستی کے لئے یہ ایک زبردست دلیل ہے +

۶۔ ایک اور تعلق میں مَیں نے سرشٹی کے سوندریہ کی بابت لکھا ہے۔ بیجان قدرت کو دیکھو۔ کتنی سُندر ہے۔ کس طرح پہاڑوں کے درمیان ہمارا آتما دس دس ہاتھ اچھلتا ہے؟ کس طرح بادلوں کی سُندر شکلیں ہمارے دلوں کو موہت کرتی ہیں؟ سوندریہ انوبھو کرنے کی شکتی ہم میں ہر وقت نہیں ہوتی۔ جب شاعرانہ جذبات ہمارے اندر اُبھرتے ہیں۔ تو ہم اس سارے سوندریہ کو محسوس کرتے ہیں۔ عالم نباتات کیا ہے؟ ایک عالیشان باغ ہے۔ جس میں ایک ایک کونہ ہماری آتما کو محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ جاندار قدرت سوندریہ کا بھنڈار ہے۔ ہر ایک جاندار کے لئے جگت میں یہ سُوندریہ خاص چیزوں میں خاص کر پرسِدّھ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ یہ سوندریہ کہاں سے آیا۔ اور دُنیا میں اس کا وجود کیوں ہے؟ کیا اس کے بنا گذارہ نہیں ہو سکتا تھا؟ کھانا زندگی کو قائم رکھ سکتا ہے۔ خواہ اس میں سواد ہو یا نہ ہو ہمارے کاروبار کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کہ ہم دوسروں کی آواز سُن سکیں۔ لیکن اُن کی آوازوں میں سریلاپن بھی موجود ہے اسی طرح خوبصورت رنگ اور خوبصورت شکلیں کیسے اس دنیا کو سورگ بنا دیتی ہیں! دیکھنے والی آنکھ ہو۔ تو خوش رہنا کتنا آسان کام ہے! یہ سب کچھ ہماری محض ضروریات سے بڑھ کر ہے۔ ہسپتال

میں کمپونڈر مریض کو دوائی دیتا ہے۔ مریض خوشی سے نہیں پیتا۔ تو کمپونڈر اسے زمین پر گرا دیتا ہے۔ اُس کے مُنہ کو ہاتھوں میں لے کر دانت کھولتا ہے۔ اور روتے چلّاتے مریض کے حلق میں دوائی ٹھونس دیتا ہے۔ دوائی اپنا فائدہ کرتی ہے لیکن امرت بھی ہو تو زہر معلوم ہوتا ہے۔ ماتا بھی بچّے کو دوائی دیتی ہے۔ بچہ دوائی پینا نہیں چاہتا۔ ماتا منّت سماجت کرتی ہے۔ بچّہ نہیں مانتا۔ ماتا گالوں کو چومتی ہے پیٹھ پر ہاتھ پھیرتی ہے۔ پیار کرتی ہے۔ ضرورت پڑے تو ناراض بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی ہر ایک حرکت کی تہ میں اگادھ پریم ہے۔ کمپونڈر کا دماغ اسے بتاتا ہے۔ کہ دوائی مریض کے لئے مفید ہے۔ اس میں مریض کے لئے سچّا پریم نہیں۔ وہ امرت بھی دیتا ہے۔ تو زہر کی شکل میں۔ ماتا کا پریم اَور ہی چیز ہے۔ پرماتما نے دُنیا کو سوندریہ سے بھر دیا ہے۔ اس خوبصورتی کے بنا بھی زندگی ممکن تھی۔ لیکن زندگی اِتنی میٹھی نہ ہوتی۔ جتنی اب ہے۔ سرشٹی کا سوندریہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ سرشٹی کی ادھشٹاتری شکتی پریم مے چیتن ہے جس نے ہمارے جیونوں کو میٹھا بنانے کا اِتنا سامان مہیّا کر دیا ہے +

۷۔ کارلائل لکھتا ہے۔ کہ دُنیا میں دو چیزیں ہیں۔ جو سب سے زیادہ مہان ہیں۔ (ا) باہر ستاروں بھرا آسمان (ب) آتما کے اندر اخلاقی قانون۔ ستاروں بھرا آسمان پرماتما کی مہاں کا ورنن کرتا ہے۔ اس کی مہانتا اور اس کے نظام کے متعلق ہم نے وچار کیا ہے اور دیکھا ہے۔ کہ کس طرح وہ ایک مہان چیتن شکتی کی گواہی دیتا ہے

اخلاقی قانون کی ہستی کے لئے جیسا کہ کانٹ نے وِستار سے ظاہر کیا ہے۔ تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:۔

۱- آتما[1] اپنے کرم کرنے میں سوتنتر ہے۔

۲- آتما[1] نتیہ ہے۔

۳- پرماتما ہیں۔

اخلاقی قانون یہ کہتا ہے۔ کہ انت میں ستیہ کی جے ہوتی ہے۔ اگر استیہ پھلتا پھولتا دکھائی دیتا ہے۔ تو یہ ایک عارضی نظارہ ہے۔ جہاں دھرم ہے۔ وہاں آنند بھی ہوگا۔ جہاں ادھرم ہے۔ وہاں دُکھ بھی ہوگا۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے کیا ہیں؟ ہم اس بات میں اشکت ہیں۔ کہ ستیہ کی جے کر دیں۔ پاپ کا ڈنڈ دیں۔ اور پن کا پھل دیں۔ یہ ہمارے بس میں نہیں۔ ہمارے اختیار سے یہ باہر ہے۔ کہ پُن ہی پھلے پھولے اور پاپ ذلیل ہو۔ لیکن اگر اخلاقی قانون اور آدرش وہمی باتیں نہیں۔ تو ہونا ایسا ہی چاہیئے۔ اِسلئے ہم سے زیادہ زبردست کسی شکتی کا ہونا ضروری ہے۔ جو دھرم اور آنند کو ایک طرف اور ادھرم اور دُکھ کو دوسری طرف اکٹھا کر سکے۔ ایسی شکتی پرماتما کی شکتی ہے۔ دھرم اور ادھرم کی تمیز جو تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ بھی پرماتما کی ہستی کا ایک نشان ہے۔ دھرم کیا ہے؟ وہ جو پرماتما کے منظور نظر ہے۔ پرماتما کو جیسا اور جتنا کوئی جانتا ہے۔ ویسا ہی دھرم کا خیال وہ قائم کرتا ہے۔ انسانوں کے اخلاقی معراج ان کے دماغوں

[1] جیو آتما کے متعلق جو لیکچر ہیں۔ ان میں ان باتوں پر وچار کیا گیا ہے +

کی بناوٹ نہیں۔ بلکہ پرماتما کے ایسے نامکمّل اور ادھورے درشن ہیں۔ جو انھیں نصیب ہوتے ہیں +

۸۔ بعض لوگ کہیں گے۔ کہ پرماتما کے خیال نے دُنیا میں اشانتی کا راجیہ پھیلا دیا ہے۔ دھرم کے نام پر بے اِنتہا قتل و خون ہوئے ہیں۔ اگر پرماتما اور دھرم کے خیال کو الگ کر دیا جائے۔ تو انسانی مصیبت کا ایک ذریعہ کم ہو جائے۔ اس کے جواب میں اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ کہ اوّل تو جو جنگ دھرم کے نام پر ہوئے۔ ان کے متعلّق ذکر کرتے ہوئے لوگ مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ جو جنگ و جدل دوسرے کارنوں سے ہوئے۔ اُن کے مقابلہ میں مذہبی لڑائیاں ایک چھوٹا سا حصّہ ہیں۔ دوسرے یہ جنگ دھرم کی وجہ سے نہیں بلکہ دھرم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوئے۔ جو لوگ دھرم کے تتو کو سمجھتے ہیں۔ وہ خیال بھی نہیں کر سکتے۔ کہ دھرم پرچار دوسروں کے گلے کاٹنے سے ہو سکتا ہے۔ دھرم کا تعلّق دل سے ہے۔ تلوار دل پر قابو نہیں پا سکتی۔ آریہ دھرم کے انویائیوں نے کبھی دھرم پرچار کی خاطر تلوار سے کام نہیں لیا۔ وہ ہمیشہ سچّائی کی طاقت پر بھروسہ کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہب کی تاریخ لال رنگ سے لکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے دھرم کے تتو کو نہیں سمجھا۔ اُنھوں نے ایک غلط عقیدہ کو اختیار کر لیا۔ کہ ایک خاص شخص کو خدا کا بیٹا یا پیغمبر ماننا اور کہنا نجات کے لئے ضروری ہے۔ اور ایسے بشواس کے لئے دوسروں کو موت تک بھی مجبور کرنا ثواب کا کام ہے۔ یہ دھرم کا خیال نہیں تھا۔ بلکہ دھرم کے تتو سے ناواقفیت تھی۔ جس

کی وجہ سے اِتنے کُشت وخُون ہوئے +

۹ - جو شخص پرماتما کی ہستی میں سچّا بشواس رکھتا ہے - وہ محسوس کرتا ہے - کہ ادھرم پر فتح حاصل کرنے کے لئے وہ اکیلا نہیں - وہ ایک مہان شکتی کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے - اس کا سمبندھ سارے سنسار کے پتی سے ہے - اس کے دل میں بشواس ہوتا ہے - کہ جس اودیش کیلئے وہ لڑتا ہے - وہ اوشیہ جیتے گا - اس کا مشن دھرم کا مشن ہے - اور انت میں دھرم کی ہی جے ہوتی ہے - یہ خیال اس کے حوصلوں کو بلند کرتا ہے - یہ وشواش اس میں اعلےٰ سے اعلےٰ اُمنگیں اور اُلّاس پیدا کرتا ہے - یہ یقین اُس کی زندگی کو اعلےٰ درجہ کا اخلاقی بل (tone) دے دیتا ہے - اخلاقی نُکتۂ خیال سے پرماتما میں بشواس کرنا اتنا مفید ہے - کہ بعض لوگوں کے خیال میں اگر پرماتما نہیں ہیں - تو لوگوں کو پرماتما بنا لینا چاہئے - میں اس لیکچر کو امریکہ کے مشہور فاضل پروفیسر ولیم جیمز سے ایک اقتباس دیکر ختم کرونگا -: پروفیسر جیمز کہتے ہیں :-

ہمیشہ دُنیا کی تاریخ میں جب کبھی سنجیدہ مزاج اور بے پرواہ مزاج کے درمیان جنگ ہوتی ہے - ہم کوشش کرنے والی اور آنند کرنے والی طبیعت کا مقابلہ دیکھتے ہیں - اور ہمیں دو قسم کے اخلاق کا فرق بھی معلوم ہوتا ہے - ایک وہ جس کے مطابق پرماتما کی طرف بھی ہمارے فرائض ہیں - اور دوسرے وہ جس کے مطابق ہمارا کام اپنی موجودہ ضروریات کا پورا کرنا ہی ہے - کوشش کرنیوالی طبیعت کی طاقت اتنی بڑی ہے - کہ اگر فلسفہ یا تاریخ کی رو سے

پرماتما کی ہستی میں بِشواس کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی - تو بھی انسان ایک پرماتما کا وجود فرض کر لیتے - تا کہ زندگی سے سچّا آنند اور لُطف حاصل کر سکیں - جب ہم خیال کرتے ہیں - کہ دُنیا میں سوائے ہم جیسے اِنسانوں کے اَور کوئی نہیں تو دُکھوں کے متعلّق ہمارا خیال اس حالت سے بہت مختلف ہوتا ہے - جبکہ ہم اُس اننت شکتی میں بھی بِشواس کرتے ہیں - جس کی طرف ہمارے فرائض ہیں - جو لوگ پرماتما میں بِشواس رکھتے ہیں زندگی کے دُکھوں کے مقابلہ کے لئے ہر ایک قسم کی طاقت اور برداشت - جُرات اور قابلیّت اُن میں پیدا ہو جاتی ہے - اور اسی لئے انسانی جدوجہد کے میدان جنگ میں اس قسم کا کیریکٹر آرام طلب کیریکٹر سے جیت جاتا ہے - اور دھرم ناستکتا کو شکست دیتا ہے ٭

دوسرا لکچر

ایشور پراپتی

۱- ایشور پراپتی کے راستہ میں رکاوٹیں (ا) ہم اندریوں کے وش میں ہیں۔ (ب) پرماتما کے سوروپ کے متعلق بہت سے پرچلت خیال غلط ہیں (ج) بہت سے آستک لوگوں خصوصاً پرچارکوں کے جیون آدرش جیون نہیں (د) ایشور پراپتی کی خواہش سے زیادہ زبردست خواہشیں ہمارے دلوں پر قابض ہیں۔
۲- ایشور پراپتی کے لئے کونسے سادھن برتنے چاہئیں (ا) اوم کی اُپاسنا (ب) تپسیا کا جیون (ج) جیون میں ستیہ پردھان ہو (د) آتم گیان +

ا- ہم نے دیکھا ہے کہ منُش جاتی کا ایک بڑا حصہ پرماتما کی ہستی میں بشواس رکھتا ہے - اور خیال کرتا ہے - کہ منُش جیون کی بہتری اس سمبندھ پر نربھر رکھتی ہے - جو منُش پرماتما کے ساتھ قائم کرتے ہیں - تاہم اس میں بھی شک نہیں - کہ عام لوگوں کے جیون میں وہ سچّا بشواس وہ عملی یقین جسے عین الیقین کہتے ہیں - پرماتما کی ہستی کے متعلق نہیں - زبان سے ہم سب کہتے ہیں - کہ پرماتما ہر وقت اور ہر طرف سے ہم کو گھیرے ہوئے ہیں - ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں - کہ وہ شُدھ سوروپ اور پوتر تا

کے سروت ہیں۔ اور پاپی منش اُنکی یوگیہ سنتان نہیں بن سکتا لیکن باوجود
اِن اقراروں کے ہم پاپ پُن کرتے سمے پرماتما کی سب کچھ دیکھنے والی
آنکھ کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہم اپنے ماتا پتا پڑوسی راج دوتوں کی
موجودگی سے زیادہ گھبراتے ہیں۔ بہ نسبت پرماتما کی موجودگی کے
ہم زبان سے اپنے آپ کو دھرم کا پیرو کہتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ
ہے۔ کہ دھرم کو بہت کم ہمارے جیون میں دخل ہے۔ دھرم کا
تتو کیا ہے؟ یہی کہ ہم محسوس کریں۔ کہ سچد انند پرماتما جو سویم
پوترتا کے سروت ہیں۔ ہر جگہ ہمارے پاس ہیں۔ اور ہمارے
ہر پرکار کے کرموں کو دیکھتے ہیں۔ ان کی موجودگی کو انوبھو کرکے
ان کی پرسنتا حاصل کرنے کی فکر کریں۔ یہی دھرم کا مُکھیہ چنیہ
ہے۔ یہ دھرم ہماری زندگیوں میں بہت تھوڑا پایا جاتا ہے۔
اس کی کیا وجہ ہے؟

(۱) پہلا کارن اس دھرم بھاؤ کے ابھاؤ کا یہ ہے۔ کہ ہم
کرم اور گیان دونوں پرکار کے جیون میں اندریوں کے وش میں
ہیں۔ اخلاقی جیون میں ہم کام کرودھ لوبھ موہ کے شکنجے میں پھنسے
ہوئے ہیں۔ آتما اندری روپی گھوڑوں کو اپنے وش میں نہیں
رکھتا۔ پرنتو گھوڑے جدھر چاہتے ہیں۔ شریر روپی رتھ کو لئے
بھاگے پھرتے ہیں۔ گیان کے جیون میں بھی ہماری اندریاں
پردھان بنی ہوئی ہیں۔ آنکھیں کان ناک آدی گیان اندریاں
سب باہر کی دنیا کی طرف کھلی ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک
اس دنیا کے ایک حصہ کو جاننے کے لئے یتن کر رہی ہے۔ آنکھوں

کا وشہ ایک خاص ہے - کانوں کا اس سے جُدا - یہ اندریاں ہمیں سارے برہمانڈ کو ایک ساتھ اپنی مہانتا میں دیکھنے نہیں دیتی - بلکہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دکھاتی ہیں - اس کے علاوہ اندریوں سے گیان کا وشہ ظہور ہیں - اصل تتو تک وہ نہیں پہنچ سکتیں - چونکہ ہم اندریوں پر ہی اکثر نظر رکھتے ہیں - ہم اس پرماتما کو جو ہر ایک وستو میں گپت ہے دیکھ نہیں سکتے - معمولی انسان جب کہتا ہے - مجھے پرماتما دکھاؤ کہاں بیٹھا ہے - وہ اس سوال کے کرتے وقت یہ فرض کر لیتا ہے - کہ سارا گیان اندریوں کا وشہ ہے - جو کچھ جانا جا سکتا ہے - وہ ظہوروں کا مجموعہ ہے - یہ ایک سخت بھول ہے - اور اس بھول کا کارن وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے - یعنی کرم کی طرح گیان کے جیون میں بھی ہم اندریوں کے غلام بنے ہوئے ہیں - آج کل خاص کر اس گیان کی تلاش ہے - جو اندریوں کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے - آج کل کا زمانہ سائنس کا زمانہ کہلاتا ہے - سائنس کا کام ظہوروں کے متعلق گیان حاصل کرنا اور ان ظہوروں کو رشتوں میں پرونا ہے - سائنس کا گیان اس وقت پردھان گیان سمجھا جاتا ہے - یہ دوسرے لفظوں میں وہی بات ہے - کہ ہم اندریوں کے غلام ہیں - سیدھے سادھے ناستک کہتے ہیں "ہمیں پرماتما دکھا دو ہم مان لیں گے" - وہی خیال تھوڑا بہت پڑھے لکھے ناستک دوسرے لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں - جب وہ کہتے ہیں - کہ جب سائنس پرماتما کی ہستی کو ثابت کریگی - تو وہ مان لیں گے - ایک علیحدہ

لیکچر میں ہم اس مضمون پر ذرا تفصیل سے بحث کرینگے - کہ سائنس سے پرماتما کی ہستی کا ثبوت مانگنا کیسا فضول مطالبہ ہے - اور یہ کہنا کہ سائنس نے پرماتما کی ہستی کو ایک موہوم اور فرضی بات ثابت کر دیا ہے - اس سے بھی زیادہ کتنا لچر دعوے ہے +

(ب) دھرم میں اشرَدھا کا دوسرا کارن یہ ہے - کہ بہت سے خیال جو پرماتما کے سوروپ کے متعلق پرچلت ہیں - ایسے ہیں کہ ایک دیانتدار اور چتر پُرش کے ہردیہ میں کئی قسم کے سنشئے اُتپن کر دیتے ہیں - لوگ کہتے ہیں - اگر یہی سوروپ اس پرماتما کا ہے جس کے متعلق دعوے کیا جاتا ہے - کہ وہ سارے سنسار کا پتی اور ادھشٹاتا ہے - جو سارے برہمانڈ کو وش میں رکھنے والا ہے - تو ایسے پرماتما کو ہمارا دُور سے ہی نمسکار ہے - خواہ وہ اِن خیالات کا پرکاش زبان سے نہ کریں - تو بھی اس قسم کے خیالات اُن کے آتما میں موجود ہوتے ہیں - یورپ اور امریکہ میں اس وقت ناستکوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے - اس کا بڑا کارن یہ ہے - کہ جو سوروپ پرماتما کا انجیل پیش کرتی ہے - وہ ان لوگوں کے آتماؤں کو سنتشٹ نہیں کر سکتا - بیسویں صدی کے عالم کوشش کریں - تو بھی ایسے پرماتما کی ہستی میں نشواس نہیں کر سکتے - جو چاہتا ہے - کہ انسان گیان کے پاپ سے الگ رہے - اور جو ایک انسان کے گیان حاصل کرنے کے جرم کے لئے ہمیشہ کے لئے تمام منش ماتر کو نرک کا بھاگی بنا دیتا ہے - جس کے حکم سے فرشتے عورتوں کے ساتھ سماگم کر کے سنتان اُتپتی کرتے ہیں - جو

جو پہلوانوں کے ساتھ رات بھر کشتی لڑتا رہتا ہے۔ اور اس میں بھی جیتتا نہیں بلکہ ہار جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام جو خیال پرماتما کی سوروپ کے متعلق پیش کرتا ہے۔ وہ بھی تسلی بخش نہیں۔ اس میں سندھیہ نہیں۔ کہ اسلام نے پرماتما کی ایکتا پر بہت زور دیا ہے۔ اور یہ اسلامی مذہب میں ایک بہت اچھا چنھ ہے مگر جو سوروپ اس ایک پرماتما کا دکھایا گیا ہے۔ وہ سنتوش جنک نہیں۔ آج کون ایسے خدا کی ہستی میں یقین کر سکتا ہے۔ جو جانوروں کی قسمیں کھاتا ہے۔ ایک خاص جگہ میں بیٹھا ہے۔ جسے ضرورت ہے۔ کہ انسانوں کے کرموں کو دیکھنے کے لئے فرشتوں کو مقرر کرے ہ پورانوں کے مطابق جو پرماتما کا سوروپ ہے۔ وہ اوتاروں کی طرف دھیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اوتار پرماتما کو ایسے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ جو انسان کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ان اوتاروں کی کوئی فہرست ایسی نہیں۔ جس کے متعلق اتفاق رائے ہو۔ جو فہرستیں دی جاتی ہیں۔ اُن میں مچھلی اور کچھوا اور سُؤر بھی شامل ہیں۔ انسانوں میں بُدھ کو بھی پرماتما کے اوتاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عام خیال کے مطابق بُدھ پرماتما کی ہستی سے ہی منکر تھے۔ آریہ سماج کے ستھاپت ہونے سے پہلے ہندو نوجوانوں میں ناستک بھاؤ زور پر تھا۔ اس کا کارن یہ تھا کہ عیسائی پادری پورانوں کے ایسے حصّوں کو ان لوگوں کے سامنے رکھتے تھے۔ جن میں پرماتما کے متعلق فضول خیالات درج ہوتے تھے۔ اور پڑھے لکھے نوجوان ایسے سوروپ سے گھبرا کر کے پرماتما

کی ہستی سے ہی منکر ہو جاتے تھے +

(ج) تیسرا کارن جو دھرم میں اشردھا پیدا کرتا ہے۔ یہ ہے کہ آستک لوگوں کے جیون اچھے نہیں ہوتے۔ خاص کر اگر دھرم کے پرچارکوں کے اپنے جیون اپوتر ہوں۔ تو اُن کے اپدیشوں کے سننے والے اور اُنھیں دیکھنے والے دھرم سے بے مُکھ ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ لوگ پرماتما کے متعلّق دوسروں کو سکھشا دیتے ہیں۔ یہ لوگ پرماتما کی بھگتی کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اگر پرماتما کوئی جیتی جاگتی شکتی ہوتی تو ان لوگوں کی زندگیاں کیوں اِتنی پھیکی بلکہ بعض اوقات بُودار ہوتیں؟ تمام دھرموں کا اِتہاس اس خیال کی پشٹی کرتا ہے۔ جب کبھی کسی دھرم کے پرچارک آچار میں گر گئے۔ عام لوگوں میں دھرم سے اشردھا پیدا ہو گئی۔ اور وہ پرماتما سے بےمُکھ ہو گئے۔ دوسری طرف جب کبھی اور جہاں دھرم کے پرچارکوں کے جیون میٹھے اور پوتر بنے۔ جہاں عام لوگوں نے اُنھیں شانتی اور سنتوش سے بھرپور دیکھا۔ وہاں عام لوگ بھی دھرم کے پنتھ پر چلنے لگے۔ عیسائی پادریوں نے شروع شروع میں ہندو نوجوانوں کو ہندو دھرم سے متنفّر کرنے کے لئے جہاں پورانوں کی فضول سکھشا پر نکتہ چینی کی۔ وہاں اُن کے دھارمک رہبروں یعنے برہمنوں اور سادھوؤں کی آچار کی طرف بھی اُن کی توجّہ کھینچی۔ جو عیسائی پرچارک شروع شروع میں یہاں آئے۔ ان کے جیون نسبتاً بہت اچھے تھے یہ مقابلہ ہندو نوجوانوں کے دلوں کو تسخیر کرنے کے لئے بُہت

مفید ثابت ہؤا +

(۵) چوتھا بڑا کارن جو ہمیں دھرم سے بے مکھ رکھتا ہے یہ ہے کہ پرماتما کے درشن کرنے اور دھرم پرائن ہونے کی سچّی خواہش ہی ہمارے ہردیوں میں موجود نہیں ہوتی۔ ہم دس بارہ برس سے زیادہ ایک دھارمک سبھا کے ساتھ سمبندھ رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے جیون میں پریورتن نہیں ہوتا۔ ہم سالوں پرماتما کی پرارتھنا اُپاسنا کرتے ہیں لیکن ہماری آتما پہلے کی طرح ملین رہتی ہے۔ کارن یہ ہے کہ پرارتھنا کا بھاو ہونٹوں سے نیچے نہیں جاتا۔ زبان بولتی ہے۔ پرنتو دل انوبھو نہیں کرتا۔ آتما میں پریم کی لہریں نہیں اُٹھتیں۔ وہاں حرکت کا نام نشان تک نہیں۔ ہمارا سمبندھ دھارمک سبھا یا سماج سے ہے۔ پرنتو وہ سمبندھ اتنا ہی ہے۔ کہ ہمارا نام اس سماج کے رجسٹر میں ہے۔ ہم دھن سے اس کی کچھ مدد کرتے ہیں۔ یا کوئی جھگڑا پیدا کر کے یا نکتہ چینی کے ذریعہ اس کے جیون کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اسے کافی سمبندھ سمجھتے ہیں۔ دوسرے بھی اسے کافی سمجھتے ہیں۔ جب دس برس کے بعد دیکھتے ہیں کہ ہمارے جیون میں پریورتن نہیں ہؤا۔ تو گھبرا جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ایسے پریورتن کے لئے ہم نے کوشش ہی کبھی نہیں کی تھی جس بات کی کوشش کی تھی وہ ہوگئی۔ ہمارا نام لکھنے کے لئے کچھ سیاہی کچھ کاغذ کچھ وقت خرچ ہوگیا۔ کچھ مندر کے فرش کو گھسا لیا۔ کچھ اپنے جوتوں کو بعض لوگوں سے واقفیت پیدا کر لی۔ کچھ روپیہ اچھے کاموں میں لگا دیا۔ اس سے بڑھ کر نہ کبھی ہم نے کوشش کی

نہ کبھی ہمیں کچھ حاصل ہُؤا۔ پرماتما ہر پرکار کی آنند کو بیچتے ہیں اور کوشش اُس کی قیمت ہے۔ کون دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ اس نے سالوں تک لگاتار دھارمک بھاؤں میں اوّنت ہونے کا یتن کیا۔ اور وہ اُونت نہیں ہُؤا؟ مصری مصری جاپ کرنے سے مُنہ میں مِٹھاس نہیں آتی۔ ہمارا تعلّق سماج سے بالکل بیرونی سمبندھ ہوتا ہے۔ ہم اپنی آتما کو دھرم کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ لیکن جس برتن میں رنگ ہے۔ اُس میں اُسے ڈالتے نہیں۔ رنگ والے برتن کے باہر پڑا ہُؤا کپڑا رنگا نہیں جا سکتا اگر کپڑا برتن میں ڈالتے ہیں تو یہ نہیں دیکھ لیتے۔ کہ پہلے مَیل کو اُتار دیا ہے +

ہم دو سوامیوں کے سیوک نہیں بن سکتے۔ ایک انگریز کوی کہتا ہے۔ کہ پرماتما ایسے ہردیہ میں براجمان ہوتے ہیں۔ جہاں ایکانت ہو۔ کسی بازاری جگہ میں وہ اپنے آپ کو ستھاپت نہیں کرتا۔ جہاں چاروں دِشاؤں سے گذرنے والے آتے جاتے ہیں۔ جس شخص نے اپنے ہردیہ سے اَور تمام خیالوں کو نکال دیا ہے۔ اور پرماتما کے خیال کو آتمک سنگھاسن پر براجمان کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی اِچّھیا پُورن ہوتی ہے۔ لیکن جس کے من میں ہر پرکار کی دُشٹ بھاؤ آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ من یوگیہ ستھان نہیں جس میں پرماتما آ کر براجمان ہوں +

اپنے من کو دوسری خواہشوں سے خالی کرو۔ جب سب سے زبردست خواہش پرماتما کے درشن کرنے کی ہوگی۔ تو پرماتما اوشیہ

درشن دینگے۔ جیون میں پریورتن ہوگا۔ ادھرم کی جگہ دھرم راج کریگا۔ جہاں پہلے اشردھا تھی۔ وہاں اب شردھا سے آتما بھرپور ہوگا ÷

پرماتما کے درشن سے سارے دُکھوں کا ناش ہوتا ہے۔ آتما کی گانٹھیں کھُل جاتی ہیں۔ لیکن پرماتما کا درشن کرنا سگم کام نہیں آتما کو باقی سارے خیالات سے آزاد کردینا بڑی کٹھن تپسیا کا پھل ہوتا ہے۔ اس تپسیا کی شاستروں میں جگہ جگہ پر ویاکھیا کی گئی ہے۔ مَیں یہاں سنکھشیپ سے ورنن کرونگا۔

۲۔ پرماتما کے درشن کس طرح ہوسکتے ہیں ؟

(۱) شویتا شوترا اوپنشد میں یہ پرشن کیا گیا ہے۔ اور اُس کا اوتر بھی دیا گیا ہے۔ پرماتما کے درشن کرنے کے لئے ہمیں ہردوار کاشی آدی ستھانوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مکّہ مدینہ یوروشلیم کا حج کرنے کی بھی آوشکتا نہیں۔ ایسے سمے کے لئے بھی انتظار کرنا نہیں پڑتا۔ جب کوئی شفاعت کرنے والا ہمیں چوتھے یا ساتویں آسمان پر لے جائیگا۔ اوپنشد کہتی ہے۔ کہ پرماتما ہر جگہ ویاپک ہے۔ وہ سب پدارتھوں کے اندر بسنے والا آتا ہے۔ اُسے دیکھنے کے لئے باہر کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ آنکھیں کھولنے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ ہمارے آتما کے اندر موجود ہے۔ سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس کے درشن کے لئے یتن کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر پرماتما سارے پدارتھوں میں ویاپک ہے۔ اگر

وہ ہمارے آتما کے اندر بھی رما ہؤا ہے۔ تو ہماری کوشش کے بغیر
بھی ہمیں اس کے درشن ہوتے رہتے ہیں۔ اوپنشد کا جواب ہے۔
کہ پرماتما ہر ایک پدارتھ کے اندر چھپا ہؤا ہے۔ ہمارے آتما
میں بھی وہ گپت رہتی سے ویاپک ہے۔ دودھ میں ماکھن موجود
ہے۔ مگر جب تک دودھ کو بلویا نہیں جاتا۔ تب تک ماکھن کے
درشن نہیں ہوتے۔ تلوں میں تیل موجود ہے۔ مگر جب تک ان کو نچوڑا
نہیں جاتا۔ تب تک تیل نہیں نکلتا۔ اسی طرح پرماتما آتما میں موجود
ہے مگر اُس کا درشن کرنے کے لئے آتما کو بلونے کی ضرورت ہے۔ آتما
کا بلونا کیا ہے؟ اوپنشد کہتی ہے۔ اوم کی اوپاسنا کے ذریعہ
آتما کو بلونا چاہئیے۔ اس وقت سنسار میں اور خاص کر ہمارے
دیش میں طرح طرح کی اُپاسنائیں پرچلت ہیں۔ پتھر اور لکڑی اور دھاتو
کی مورتی کی پُوجا کی جاتی ہے۔ دریاؤں اور پہاڑوں کے آگے
لوگ سر نواتے ہیں۔ سانپ جیسے دُکھدائی جانور کو بھی دیوتا جان کر
اس کی پرستش کرتے ہیں۔ ہندوؤں کی دیوی دیوتاؤں کا کوئی
شمار ہی نہیں۔ بیس کروڑ ہندوؤں کے لئے تینتیس کروڑ دیوی
دیوتا ہیں۔ اور وہ بھی ناکافی ہیں۔ ہندو مسلمانوں کی قبروں
اور مزاروں پر دیپک جلاتے اور منّتیں مانتے ہیں۔ اس
پہلو میں ہندو سب سے گئے گذرے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں۔
کہ وہ ایک پرماتما کی پوجا کرتے ہیں۔ مگر وہ بھی ایک انسان
حضرت مسیح کو اتنا بڑھا گئے ہیں۔ کہ اسے خدا مان لیا ہے۔
اور اس میں اور پرماتما میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔ مسلمان عیسائیوں

ہے اس لحاظ میں اونچے معراج پر ہیں۔ پرنتو وہ بھی محمد صاحب کو خدا کے لگ بھگ ماننے لگ گئے ہیں۔ ان کا کلمہ محض پرماتما کی وحدانیت کا اظہار ہی نہیں کرتا۔ بلکہ محمد صاحب کا نام بھی شامل کر دیتا ہے۔ محمد صاحب کی شفاعت مکتی کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ آریہ سماج سکھلاتا ہے۔ کہ ایک پرماتما ہی پوجا کے یوگیہ ہیں۔ اور کسی انسان کو اُن کے برابر یا ان کا معشوق وغیرہ فرض کرنا ایک قسم کا کُفر ہے +

دنیاوی گیان کے لئے ایک شخص بیس سال خرچ کرتا ہے۔ اور تب کہیں جاکر اُسے خیال آتا ہے۔ کہ وہ ایک خاص پودے کے متعلق کچھ جانتا ہے۔ پرماتما کے متعلّق چنتن کے لئے ہم لوگ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک گھنٹہ بھی نہیں نکالتے۔ اور پھر شکایت کرتے ہیں۔ کہ ہمیں ان کے درشن نہیں ہوتے۔ آتما کو اوم کی اُوپاسنا کے ساتھ بلوؤ۔ بلوؤ۔ اور پھر بلوؤ یہ ایشور پراپتی کا پہلا سادھن ہے +

(ب) دوسرا سادھن اوپنشد کی سکھشا انوسار یہ ہے۔ کہ ہمارا جیون تپسیا کا جیون ہو۔ ہمارے دیش میں تپسیا کے جیون کی اتنی قدر کی جاتی ہے۔ کہ جو شخص نقلی تپسیا بھی کرتا ہے۔ اس کی سیوا کے لئے بھی لوگوں کے دلوں میں خود بخود خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ بہت سے آدمی ایسے ہیں۔ جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ محض اس لئے کہ وہ ننگے بدن رہتے ہیں۔ یا دن میں ایکبار تھوڑا سا کھاکر گذارہ کرتے ہیں۔ آجکل لوگوں نے تپسیا

کو ہی انتم آدرش سمجھ لیا ہے۔ اور اس کی بھی اصلی ماہیت نہیں سمجھتے
اپنے اِرد گرد دُھونی رما لیتے ہیں۔ کئی اپنے آپ کو اُلٹا لٹکا دیتے
ہیں۔ کئی کانٹوں پر لیٹتے ہیں۔ ان باتوں سے پرماتما مل نہیں
جاتے۔ ان کا پریوجن یہ ہے۔ کہ اِنسان وشیوں کا غلام نہ بنے۔
سچّی تپسیا یہ ہے۔ کہ اِنسان اپنی اندریوں کو وش میں رکھے۔ وہ
خواہشات کا غلام نہ ہو۔ بلکہ انتم آدرش کی پُورتی کے لئے ان کو
استعمال کرے۔ کام کرودھ۔ لوبھ۔ موہ اہنکار سب سے زبردست
وشئے ہیں۔ جو شخص اُن کی غلامی سے آزاد ہو گیا ہے۔ وہ سچّا
تپسوی ہے۔ اس تپسیا کے لئے ضروری نہیں۔ کہ اِن آتمک طاقتوں
کا ناش کیا جائے۔ بلکہ ضروری یہ ہے۔ کہ انھیں مناسب راہ پر
چلایا جائے۔ جیسا ایک اور موقعہ پر بیان کیا گیا ہے؎ ضرورت اِس
بات کی ہے۔ کہ شریر رُوپی رتھ کو جو گھوڑے کھینچتے ہیں۔ وہ
سارتھی کے بس میں ہوں۔ اِن کے مار دینے سے رتھ کھائی میں
تو نہیں گریگا۔ لیکن آگے بھی حرکت نہیں کر سکیگا۔ دنیاوی خواہشیں
ہم پر اپنا شاسن کئے ہوئے ہیں۔ ہم لوگ شریر کو اپنا آپ سمجھے
ہوئے ہیں۔ سچّی تپسیا یہ ہے۔ کہ ہم شریر کو انت سمجھیں۔
اور انُبھو کریں۔ کہ ہمارا کام آتمک اونتی کرنا ہے۔ ہمارے
جیون کا مقصد دنیاوی سامانوں کا اکٹھا کرنا نہیں۔ بلکہ کچھ
بننا ہے +

ہم میں سے کتنے ہیں۔ جو شریر کی اپیکھشا آتما کی پرواہ

؎ آدرش جیون پر لکچر دیکھیں +

کرتے ہیں ؟ کتنے ہیں۔ جو میلے کپڑوں کی وجہ سے شرمندہ نہیں ہوتے۔ لیکن جھوٹ یا فریب کی وجہ سے شرمندہ ہوتے ہیں ؟ آتما کی سیاہی کو ہم برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن جسم کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ آتما اپنی خوراک نہ ملنے کے سبب سے فاقہ کشی کرتی رہے۔ اس میں مضائقہ نہیں مگر ہمارے معدہ میں اچھے کھانے پہنچنے چاہئیں۔ ہماری جبھا کو اچھے سواد ملنے چاہئیں۔ ہماری آنکھوں کو دیکھنے کے لئے سُندر نظارے ملنے چاہئیں۔ سواستھ رکھشا دھرم کا ایک انگ ہے۔ لیکن جو فکر ہم اپنے جسموں کے لئے کرتے ہیں۔ وہ سواستھ قائم رکھنے کے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک طرح سے جسم کی پرستش ہوتی ہے۔ یہ مورتی پُوجا ایسی ہی مکروہ ہے۔ جیسی مورتی پوجا کسی اور شکل میں جب تک ہم اس مورتی پوجا کو ترک نہیں کرتے ہم پرماتما کے درشنوں کے بھاگی نہیں بن سکتے۔

تھوڑا عرصہ ہؤا۔ کہ آریہ سماج لاہور کے برامدہ میں نوٹس لگایا گیا تھا۔ مندر میں **جوتا لے جانے کی اجازت نہیں**۔ یہ شرط بعض بھائیوں کے لئے کڑی ثابت ہوئی۔ بعضوں نے سماج میں آنا چھوڑ دیا۔ بعضوں نے باہر برامدہ میں بیٹھا رہنا کافی سمجھا۔ میرے دل میں اس نظارہ کو دیکھ کر کئی بار خیال آیا۔ کہ سماج کے نوٹس اور آریہ سماج میں آنے والے بھائیوں کے رویّہ میں ایک ایسا سچّا اور اہم اصول چھپا ہؤا ہے۔ جس کا نوٹس لگانے والوں کو کبھی خیال تک بھی نہیں آیا۔ جوتا جھاڑے

کا بنا ہوتا ہے۔ سماج کے ادھکاریوں نے جو یہ فیصلہ کیا۔ کہ سماج مندر میں داخل ہوتے وقت چمڑہ باہر چھوڑ آنا چاہیے۔ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن اس میں سندھیہ نہیں۔ کہ کوئی شخص دھرم مندر میں پرویش نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اپنے چمڑے (جسم) کو پیچھے چھوڑنا منظور نہ کرے۔ اگر ہم اپنے چمڑہ کے ساتھ اتنا پریم کرتے ہیں۔ کہ اس سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ تو ہمیں اس نیم کا بھی دھیان رکھنا چاہیئے۔ کہ ہمارے لئے دھرم مندر میں جگہ نہیں۔ یہ نیم ہمارے سماج کے نیم کی طرح بدلا نہیں جاتا۔ یہ نیم ایسا نہیں۔ جیسے ہمارے نیم کی طرح کوئی اولنگھن کر سکے۔ سماج کی حالت میں تو بہت تھوڑے ہوتے تھے۔ جو مندر کے باہر رہنے پر ہی شاکر ہوتے تھے۔ لیکن دھارمک زندگی میں کوئی کوئی جوانمرد نکلتا ہے۔ جو چمڑہ کو پیچھے چھوڑ کر مندر میں داخل ہوتا ہے یہ سچّی تپسیا ہے۔ یہ تپسیا بھاگوں سے کسی کے حصہ میں آتی ہے۔ لیکن جس کے حصہ میں آجاتی ہے۔ وہ بھوساگر سے پار اُتر جاتا ہے

(ج) تیسرا سادھن ایشور پرانپتی کا یہ ہے۔ کہ ہمارے جیون میں ستیہ پر وہاں چشیہ ہو۔ ستیہ کی مہماں ویدوں اور شاستروں میں ہر جگہ ملتی ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے۔ کہ اگر ایک پلڑے میں ستیہ ہو۔ اور دوسرے پلڑے میں باقی ساری اخلاقی خوبیاں ہوں۔ تو ستّیہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔ ستیہ سے بڑھ کر کوئی دھرم نہیں ہے۔ پراچین آریہ جس شخص کی ادھک سے ادھک پرشنسا کرتے تھے۔ اُسے ستیہ وادی کا خطاب دیتے تھے۔ جن

لوگوں کے جیون آدرش جیون سمجھے جاتے ہیں۔ جن کا نام لے کر ہزاروں لاکھوں نر ناری پوتر ہوتے ہیں۔ ان کے جیون میں بھی ستیہ ہی پردھان گن ہے۔ مہاراجہ رامچندر جی کی طرف دیکھو۔ عام ہندو ایک دوسرے کو ملتے ہیں۔ تو ان کا نام لیتے ہیں۔ بھکاری بھکشا مانگنے جاتے ہیں۔ تو سیتا اور رام کی جے مناتے ہیں۔ سیتا اور رام کی کتھا کو کون ہندو نہیں جانتا؟ دسہرہ اور دیوالی آتے ہیں۔ تو بیس کروڑ ہندوؤں میں سے جتنے سمجھ سوچ سکتے ہیں۔ ان کے ہردیوں میں ایک ہی لہر موج زن ہوتی ہے۔ وہ رام چندر جی کے لئے شردھا ہے۔ رام چندر میں کیا خوبی تھی۔ جس کے کارن آج ہزاروں برسوں کے گذر جانے پر بھی لوگ اُن کا نام لینا بھی پنیہ کرم سمجھتے ہیں؟ رامچندر یُوراجہ بننے لگے ہیں۔ سب تیاریاں ہو چکی ہیں۔ شہر میں ہر طرف خوشیاں ہو رہی ہیں۔ رام چندر حسب معمول پتا کو ڈنڈوت کرنے جاتے ہیں۔ وہاں کیکئی پوچھتی ہے " تم یہ چاہتے ہو۔ کہ تمہارے پتا کا وچن قائم رہے۔ یا اپنی آرام کی فکر کرتے ہو"؟ رامچندر کو یہ سوال ہی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے ؎

رگھو کل ریت یہی چلی آئی پران جائیں پر وچن نہ جائی

اپنے پتا کا وچن قائم رکھنا اس کے لئے ہر پرکار کی آنند سے بڑھ کر آنند وایک ہوگا۔ رام یہ اقرار کرتا ہے۔ اور اُسے بتایا جاتا ہے۔ کہ اقرار پورا کرنے کی قیمت چودہ برس کا بن باس ہے۔ کایر ایسی زندگی سے ڈر جائیں۔ لیکن رام اسے سر آنکھوں پر قبول

کرتا ہے۔ راج سنگھاسن کی جگہ جنگلوں کی جھاڑیاں سویکار کرتا ہے محلّوں کے راگ رنگ کی جگہ شیر آدمی جنگل کے درندوں کی آوازیں سویکار کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ جب یہ زندگی قبول کرتا ہے۔ تو غم اور فکر کے ساتھ نہیں۔ بلکہ خوشی خوشی۔ رامائن میں لکھا ہے کہ جب رامچندر نے یہ سُنا کہ اُنھیں بن باس کو جانا ہوگا۔ تو اُنکے چہرہ پر ایسی رونق آئی۔ جیسی پہلے دیر سے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی ٭

جسرتھ نے رامچندر لکشمن اور سیتا کو بنوں میں بھیجنا سویکار کیا۔ کیا اس لئے کہ وہ کیکئی کی سندر شکل کا متوالا تھا۔ اور کیکئی کو راضی کرنے کے لئے اپنے بچّوں کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوگیا؟ نہیں نہیں۔ یہ خیال مہاراج جسرتھ کے کیریکٹر کو بالکل غلط سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اگر جسرتھ کیول کیکئی کے پریم میں مست ہوتے تو رام کی جُدائی ان کی موت کا کارن نہ ہوتی۔ کیکئی تو ان کے پاس موجود ہی تھی۔ جسرتھ کہہ چُکا تھا۔ کہ وہ کیکئی کی دو فرمائشیں پوری کریگا۔ اب اُسے کیکئی کو سنتشٹ نہیں کرنا تھا۔ بلکہ اپنے آتما کو جو اسے کہتی تھی "اپنے وچن پر قائم رہو۔ رگھو کے کُل کو کلنک نہ کرو" یہ حکم تھا۔ جو جسرتھ کے لئے ماننا ضروری تھا جیسا کوی نے کہا ہے ؎

سب سے پیارا پوت ہے پوت سے پیارے پران
جسرتھ نے دونو تجے وچن نہ دینو جان

جو کچھ مُنہ سے کہتے ہو۔ وہ پورا کرو۔ یہ مردوں کا کام ہے۔ ایسے

علاوہ ستیہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے - وہ یہ ہے - کہ ہم وہی کہیں جو ہم دل سے محسوس کرتے ہیں - جو لوگ زمانہ سازی میں اپنی خوبی سمجھتے ہیں - جو یہ خیال کرتے ہیں - کہ زبان خیالات کا پرکاش کرنے کیلئے نہیں بلکہ اُن کو گپت رکھنے کے لئے ملی ہے - وہ منش پدوی سے گر جاتے ہیں - دھرم پر جن لوگوں نے اپنی جانیں دی ہیں - ان سے یہی کہا جاتا تھا - کہ اپنے انتریہ بھاوؤں کے برخلاف کہہ دیں - انھوں نے منظور نہیں کیا - کیا اُن سے زبان کی وہ حرکت ہو نہیں سکتی تھی - جو ان کے وردھ ہی چاہتے تھے؟ وہ حرکت جسمانی لحاظ سے بالکل آسان حرکت تھی - مشکل کام یہ تھا - کہ وہ اپنی زبان کو ایسے طریق پر ہلانے کے لئے تیار ہو جائیں - جو اُن کے انتریہ بھاوؤں کو نہیں - بلکہ اور بھاوؤں کو ظاہر کرے - یہ مشکل کام ان کے لئے ناممکن تھا - ان لوگوں نے زندہ دیواروں پر چنا جانا آگ میں جل مرنا پھانسی پر لٹکایا جانا قید خانہ میں برسوں گذارنا قبول کیا - لیکن یہ سویکار نہیں کیا - کہ ایسے شبد بولیں - جو ان کے ہردیہ سے نہیں نکلتے - یہ ان کی مہانتا کا نشان تھا -

ایسا کرنا اخلاقی بزرگی ہے - اور مانسک بزرگی بھی ہے - کچھ دن ہوئے میں پہلی بار ایمرسن کے لیکھ پڑھ رہا تھا - سب سے زیادہ جس بات نے میرے دل پر اثر کیا - وہ یہ ہے - کہ ایمرسن کے خیال میں مہان پرش جیسا خود محسوس کرتا ہے - ویسا بولتا ہے - معمولی آدمی اپنے لئے آپ نہیں سوچتا - بلکہ دوسروں کے گھڑے ہوئے خیالات لیتا ہے - اور انھیں اپنے خیال سمجھ کر ظاہر کرتا ہے

ایک جیتا انسان ہے - جو اندر سے بولتا ہے - دوسرا گرامو فون کی طرح ہے - جو ایسی آوازیں نکالتا ہے - جو اس کے اندر بھری گئی ہیں الغرض ایک بڑے آدمی کا چنھ یہ ہے - کہ جو اُس کے من میں ہوتا ہے - وہی اس کی جبھا بولتی ہے - وہی وہ کرتا ہے ✣

ایسا آدمی ہی پرماتما کے درشن کا ادھکاری ہوتا ہے - یہ ضروری نہیں - کہ ایسا آدمی پرماتما کو دیکھ لے - پرنتو اس سادھن کے بنا تو کوئی ادھکاری ہی نہیں ہوتا ✣

(۵) چوتھا اور آخری سادھن جو ایشور پراپتی کے لئے اوپنشد بیان کرتی ہے - وہ یہ ہے - **اپنے آپ کو جانو** - بہت سے انسان سمجھتے ہیں - کہ اپنے آپ کو جاننے کے لئے کسی پرکار کے یتن کی آوشکتا نہیں - اپنے آپ کو تو ہر ایک منش جانتا ہی ہے لیکن وچار کرنے سے معلوم ہوگا - کہ اپنی ذات کی بابت جو واستوک گیان ہے - وہ بہت تھوڑے منشوں کا حصّہ ہے - اگر ہر ایک اپنے آپ کو جانتا - تو سقراط کیوں ساری عمر اپنے ہموطنوں سے کہتا رہتا - اپنے آپ کو جانو؟ شاستروں میں جگہ جگہ پر آتم گیان کی ہدایت کی گئی ہے ✣

ہم نے دیکھا ہے - کہ ایشور پراپتی کے سادھنوں میں ایک سادھن تپ ہے - اور سچّا تپ یہی ہے - کہ منش اپنی ورتیوں کو وش میں رکھے - اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو - بلکہ ان کا مالک ہو - ہر ایک انسان کے آتما میں دیو آسُر سنگرام ہوتا ہے دَیوی ورتیاں ایک طرف ہوتی ہیں - اور اُس کے آسُری بھاو دوسری طرف

آسُری بھاو ایک خاص وشہ کو اپنا پرتی ندھی بنا لیتے ہیں۔ اور دیوی شکتیوں کی ساری کوشش اس وشہ پر قابو پانے میں خرچ ہوتی ہے۔ یہ وشہ ایک انسان کی خاص کمزوری ہوتی ہے۔ دیوآسُر سنگرام میں دیوی شکتیوں کی جیت کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس خاص کمزوری کا انتظام کیا جائے۔ جس طرح کشتی میں ایک سُوراخ ہو جانے سے پانی بھر جاتا ہے۔ اور ناؤ ڈوب جاتی ہے۔ اسی طرح یہ خاص کمزوری جب تک اس کا انتظام نہ کیا جائے۔ انسان کو پاپ سمندر میں ڈبو دیتی ہے۔ سیانا ملّاح دیکھتا ہے۔ کہ سُوراخ کہاں ہے۔ ہمارے شریر میں کوئی روگ ہو۔ وَید آتا ہے۔ ہماری چھاتی کو۔ پیٹھ کو زبان کو آنکھوں کو غرض انگ انگ کو دیکھتا بھالتا ہے۔ تاکہ وہ جان سکے۔ کہ روگ کہاں ہے۔ جب تک اُسے یہ معلوم نہیں ہوتا! اَوشدھی نہیں دیتا۔ اگر دیتا ہے۔ تو اس کا لابھ نہیں ہوتا۔ اخلاقی جیون میں بھی ہر ایک کو ایسی کھوج کرنا چاہئے۔ یہاں ہر ایک آپ ہی اپنے مرض کی تشخیص کر سکتا ہے۔ دوسرے کو دخل نہیں۔ ہر ایک کا دھرم ہے۔ کہ وہ جانے کہ اس میں خاص نقص کون سا ہے۔ اس کے جیون میں آسُری بھاووں کا پرتی ندھی کونسا وشہ ہے۔ جب تک یہ گیان حاصل نہیں ہو جاتا۔ تب تک کسی اخلاقی ترقّی کا ہونا اسمبھو ہے ٭

ایشور پراپتی کے لئے آتما کی پوترتا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے اپنی آتمک اوستھا کے گیان کی ضرورت ہے۔ ایک اور معنوں میں بھی اپنے آپ کو جاننے کی آوشکتا ہے۔ شاستر کہتے ہیں۔ کہ

سارے دُکھ اگیان سے اُتپن ہوتے ہیں - اگیان کا لکشن کیا ہے؟
انت پدارتھ کو نت جاننا اور نت کو انت - ہم لوگ اکثر شریر
گویا اس کے کسی انگ کو ہی اپنا آپ سمجھتے ہیں - جو شخص سارے
جیون کا آدرش یہی سمجھتا ہے - کہ راگ رنگ سُنتا رہے - وہ
عملی طور سے سمجھتا ہے - کہ وہ کان ہے - جو شخص سُندر
سُندر درشیہ دیکھنے میں ہی سنتشٹ ہے - جس کا یہ وہاں جذبہ
یہی ہے - کہ دیش دیشانتروں کی سیر کر کے مختلف مقاموں
اور چیزوں کو دیکھے - وہ اپنے آپ کو آنکھ سمجھتا ہے - اسی طرح
سے دوسری اندریوں کے متعلق حال ہے - جو شخص شریر کو عام
طور پر سُکھی رکھنا چاہتا ہے - وہ اپنے آپ کو شریر سمجھتا ہے
اوپنشد واکیہ کا مطلب یہ ہے - کہ ہم انوبھو کریں - کہ ہم آنکھ نہیں
کان نہیں زبان نہیں ہم شریر بھی نہیں - بلکہ شریر سے
بڑھ کر کچھ ہیں - ہم آتما ہیں - اگر ہم اپنے آپ کو شریر یا
شریر کا کوئی انگ سمجھینگے - تو قدرتی طور پر شریر یا اس انگ
کو سُکھی رکھنے کے لئے یتن کرینگے - اگر ہم اپنے آپ کو آتما
جانیں گے - تو ہم آتمک اُنتی کی کوشش کرینگے - اور پرماتما
کے ساتھ اپنا ملاپ کرنے کی ہمیں فکر ہوگی +

ایک اور معنے بھی ہیں - جس میں اوپنشد واکیہ سمجھا جا سکتا
ہے - تو ابھن وادی کہتے ہیں - کہ آتما اور پرماتما ایک ہی وستو
ہیں - ان کا بھید اصلی نہیں بلکہ فرضی ہے - جب وہ کہتے ہیں
اپنے آپ کو جانو - تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے - کہ پرماتما کا گیان

اس سے الگ کچھ چیز نہیں - یہ خیال درست نہیں - اس کی سما لوچنا
ہم آتما کے متعلق وچار کرتے ہوئے کرینگے - اصل بات یہ ہے
کہ جیو آتما اور پرماتما ایک ہی وستو نہیں - بلکہ ایک ہی قسم کی
وستوئیں ہیں - جیسے آتما چیتن ہے - ویسے ہی پرماتما چیتن ہے
آتما کی طرح پرماتما بھی ست پدارتھ ہے - جو نقص یا ترٹیاں آتما میں
پائی جاتی ہیں - وہ پرماتما میں پائی نہیں جاتیں - پرماتما کے
گنوں کا گیان مغربی فلاسفروں کے خیال کے مطابق بھی اسی
طرح حاصل ہوتا ہے - کہ ہم جیو آتما کے گنوں پر وچار کرتے ہیں
جو انسانی شکتیاں ہیں - اس قسم کی اننت شکتیاں پرماتما
کی شکتیاں سمجھتے ہیں - اس کے علاوہ جو نقص جیو آتما
میں ہیں - اُن سے پرماتما کو آزاد سمجھتے ہیں - یہ پرماتما کا شدھ
سوروپ نہیں - یہ پرماتما کی ذات کا وہ گیان نہیں - جیسا وہ
اپنے آپ میں بغیر اس سمبندھ کے خیال کے ہے - جو دوسری
وستوؤں سے اس کا ہے - یہ پرماتما کا شبل سوروپ ہے -
یہی ہم جان سکتے ہیں - اس لئے پرماتما کے درشن کرنے کی
اچھیا کرنیوالے کو اپنشد اپدیش کرتی ہے - کہ پرماتما ایک
اندھی اچیتن شکتی نہیں - جیسا بعض مادہ پرست اس وقت مانتے
ہیں - پرماتما ایک اننت گیان دھارا نہیں - جیسا ہیگل کا خیال
ہے - بلکہ پرماتما جیو آتما کی طرح ست اور چیتن پدارتھ ہے
پرماتما کے گنوں کے متعلق جاننے کی کنجی جیو آتما کا گیان
ہے - کیونکہ جہاں جیو آتما میں کوئی شکتی محدود ہے - وہاں

وہ شکتی اننت پرماتما میں موجود ہے۔ چونکہ جیو آتما اور پرماتما ایک ہی قسم کے پدارتھ ہیں۔ اپنے آپ کا گیان پرماتما کے گیان کے لئے ایک سادھن ہے۔ اپنے آپ کو جاننا ضروری ہے کیونکہ (۱) اسی سے ہم جان سکتے ہیں۔ کہ ہماری خاص کمزوری کیا ہے۔ دیو اسُر سنگرام میں دیوی شکتیوں کی جیت کے لئے کس جگہ حملہ کرنا ضروری ہے (۲) اپنے آپ کو جاننے سے ہی ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ہم شریر یا اس کا کوئی خاص انگ نہیں۔ بلکہ آتما ہیں (۳) پرماتما کا گیان آتما کے گیان سے ہوتا ہے۔ کیونکہ پرماتما اور آتما ایک قسم کے پدارتھ ہیں ÷

تیسرا لکچر

جیو آتما اور اُس کا سوروپ

۱۔ مانسک* جیون سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ۲۔ مانسک جیون کا سروت (منبع) کیا ہے؟ مختلف جواب :۔ (۱) مانسک جیون سے پرے کچھ نہیں۔ گیان دھارا گیانی ہے۔ (۲) مانسک جیون ایک دروبیہ کے ظہوروں کا مجموعہ ہے۔ وہ دروبیہ (ا) مادہ ہے (ب) پرماتما ہے (ج) جیو آتما ہے۔ ۳۔ گیان دھارا واد کی سمیکھشا (۱) مانسک جیون کا بنیادی امر کیا ہے؟ (۲) مانسک جیون کی گٹھت اور ایکتا جیو آتما کی ہستی کا پتا دیتے ہیں (۳) سمرن شکتی آتما کی ہستی کا ثبوت ہے (۴) اخلاقی جیون کے بنیادی اصول گیان دھارا واد سے ٹکر کھاتے ہیں۔ ۴۔ مادہ پرستوں کا پکش (۱) مادہ پرستی کے حق میں شہادت (۲) مانسک اوستھاؤں کا اثر جسم پر۔ آتما اور شریر کا پرسپر سمبندھ۔ دونا جائز نتیجے۔ (۳) سمبندھ پہلے پیچھے آنے کا ہے (۴) کیا پرکرتی کی حرکت مانسک جیون کی شکل اختیار کر لیتی ہے؟ (۵) کیا یہ حرکت مانسک جیون کو پیدا کر سکتی ہے؟ ۵ (۱) نوین ویدانت (۲) نوین ویدانت کیا کہتا ہے؟ (۳) پرماتما بھرم میں پھنسا ہوا ہے (۴) پرماتما دُکھی ہے (۵) پرماتما پاپ کرتا ہے (۶) پرماتما کے گیان میں متضاد باتیں ہیں (۷) اخلاقی جیون اور نوین ویدانت (۸) نوین ویدانت کی سادگی کی قیمت ۶۔ جیو آتما کے سوروپ کے متعلق آریہ سدھانت +

۱۔ ہمارے دیش میں اور دوسرے دیشوں میں ایسے فلاسفر ہو گذرے ہیں۔ اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ جو بیرونی دُنیا کی ہستی میں وشواس نہیں رکھتے۔ ان کا خیال ہے کہ جس چیز کو ہم اپنے سے

* اس لیکچر میں آتما او رمن۔ آتمک جیون اور مانسک جیون ایک ہی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں

باہر خیال کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے باہر نہیں بلکہ اندر ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ ہمارا من ہمارے شریر میں ہے۔ اور ہمارا شریر مادی دُنیا میں ان لوگوں کی رائے میں یہ خیال بالکل غلط ہے۔ سچا سدھانت یہ ہے کہ دُنیا اور ہمارا شریر (جو دنیا کا ایک حصہ ہی ہے) دونوں ہمارے من میں ہیں۔ بیرونی دُنیا کی ہستی سے انکار ہوتا رہا ہے۔ لیکن اندرونی دُنیا کی ہستی سے کبھی کسی نے اِنکار نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ جیسے فرانسیسی فلاسفر ڈے کارٹ نے نوین پچھمی فلسفہ کی بُنیاد رکھتے ہوئے کہا۔ یہ سمجھو ہی نہیں۔ کہ اندرونی دنیا یا مانسک جگت کی ہستی سے اِنکار کیا جاوے۔ جب ڈے کارٹ نے فلسفہ کو ریاضی کی طرح ایک صحیح اور مکمل سائنس بنانے کا وچار کیا۔ تو اس نے کہا۔ میں کسی چیز میں بشواس نہیں کرونگا۔ جب تک اس میں بشواس کرنے کے لئے عقلی طور پر مجبور نہیں ہونگا۔ اس نے اپنی ہستی میں بھی شک کیا۔ اور اسی شک نے اسے اس کے سوال کا جواب دیا۔ وہ کہتا ہے۔ میں اپنی ہستی میں شک کرتا ہوں۔ ایسا کرنے سے میرے شک کی ہستی ایک مسلّمہ امر ہو جاتی ہے۔ لیکن شک کرنا مانسک جیون کا ایک انگ ہے۔ یہ ایک طرح کا خیال ہے اِس لئے مجھے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ میرے خیال کی ہستی ہے۔" ڈے کارٹ نے خیال کی ہستی کی بِنا پر کہا۔ کہ ایک خیال کرنیوالا آتما بھی ہے۔ اس کے پیچھے آنے والے فلاسفروں نے اس کی جلد بازی کے لئے اس پر نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن بہر حال اس میں شک نہیں کہ ہمارے شکوک بھی مانسک جیون کی ہستی کا ایک زبردست

ثبوت ہیں +

۲ - اس میں تو سارے وچار کرنیوالوں کا اتفاق ہے۔ لیکن اس سے آگے چل کر اتفاق نہیں - دوسرا سوال یہ ہے کہ آتمک جیون کا کارن یا سروت کیا ہے؟ کیا کوئی ایسا درویہ (ست پدارتھ Substance) ہے - جس کا ظہور ہمارا آتمک جیون ہے؟ اگر کوئی ایسا درویہ ہے تو وہ کیا ہے؟ آتمک جیون تو ہر وقت جب کہ ہم جاگرت یا سوپن اوستھا میں ہوتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں - زیادہ گہرا اور مشکل سوال یہ ہے - کہ جیون کہاں سے آتا ہے؟ اس کا سروت کیا ہے اور کہاں ہے؟

اس سوال کے کئی جواب دئے گئے ہیں - جن لوگوں نے اپنے دیش یا دوسرے دیشوں کے فلسفہ یا تاریخ فلسفہ کا پاٹھ کیا ہے - وہ جانتے ہیں - کہ اس سوال کا جواب ان دو چار باتوں میں سے ہے - جن کا دریافت کرنا انسانی دماغ کے سامنے آدرش رہا ہے +

(۱) بعض لوگوں کا سدھانت ہے - کہ دُنیا میں کوئی درویہ نہیں دُنیا فقط ظہوروں کا مجموعہ ہے - ایک ظہور دوسرے سے ملا ہوا ہوتا ہے - اور ہماری سائنس اور اس کی تحقیقات کا اُدیش یہی ہونا چاہیئے - کہ ہم اس ملاپ کے عام قاعدوں کو سمجھ سکیں - شکتی کا خیال ایک وہم ہے - نہ مادّی دنیا میں اور نہ مانسک دُنیا میں ہی کوئی طاقت ہے - جب ہم کارن اور کاریہ کا ذکر کرتے ہیں - تو ہماری مراد یہی ہوتی ہے - کہ ایک ظہور دوسرے سے اس طرح ملا ہؤا ہے - کہ جب ایک نمودار ہوتا ہے - تو دوسرا بھی نمودار ہو جاتا ہے - ان میں فقط کال کا یعنے پہلے پیچھے آنے کا سمبندھ ہے - اس خیال کے لوگ کہتے ہیں

کہ آتمک جیون سے پرے کوئی وستو نہیں۔ جس کا یہ ظہور ہے۔ آتمک جیون ظہوروں کی ایک لڑی ہے۔ یہی گیان دھارا گیانی ہے۔ اسکے علاوہ کوئی گیانی نہیں۔ یہ خیال ہمارے آریہ ورت میں بودھ لوگوں کا ہے۔ جو آتمک جیون سے الگ آتما کو کوئی وستو نہیں مانتے تو پن مغربی فلسفہ میں پہلے پہل یہ خیال ہیوم نے پیش کیا۔ اور آج تک زیادہ تر یہ اسی کے نام کے ساتھ سمبندھت ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ اب جو لفظ آتما یا آتمک جیون کے لئے اس خیال کے انویائی استعمال کرتے ہیں۔ وہ۔

Stream of consciousness

ہے۔ اور یہ بودھوں کی گیان دھارا کا لفظی ترجمہ ہے ؁

(۲) عام لوگوں کی طرح فلاسفروں میں بھی یہ خیال تھوڑے لوگوں کا ہے۔ زیادہ پرچلت خیال یہ ہے۔ کہ کوئی ظہور بذات خود ہستی نہیں رکھ سکتا۔ یہ کسی وستو کا ظہور ہونا چاہئے۔ ظہور کا خیال کرتے ہوئے ہم مجبور ہوتے ہیں۔ کہ اس پدارتھ کا بھی خیال کریں جس کا یہ ظہور ہے۔ گن گنی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک عام لوگوں اور عام فلاسفروں میں اتفاق ہے۔ لیکن جب ہم پوچھتے ہیں۔ کہ وہ کونسی وستو ہے۔ جس کا ظہور یا پرکاش یا گن ہمارا آتمک جیون ہے۔ تو جواب ایک نہیں ملتا۔ یہاں پر مت بھید آجاتا ہے۔ اس سوال کے تین مختلف جواب دئے گئے ہیں ؁

(۱) دنیا میں مادہ ہی اکیلا درویہ ہے۔ اس میں حرکت پائی جاتی ہے۔ مادہ اور حرکت سنسار کے سارے ظہوروں کے لئے

کافی ہیں - آتمک جیون بھی دوسرے ظہوروں کی طرح مادہ کی حرکت کا ایک نتیجہ ہے۔ مادّہ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے - اور اس تبدیلی کی وجہ سے ہی یہ ہمیں مختلف روپوں میں دکھائی دیتا ہے۔ جب وہ ایسی شکل اختیار کر لیتا ہے - جس کو دماغ کہتے ہیں - تو اس کی حرکت سے ایک نیا ظہور نمودار ہو جاتا ہے - جو آتمک جیون کہلاتا ہے +

(ب) مانسک جیون کسی ایسی چیز کا پرکاش نہیں - جو اپنے اصلی روپ میں آتمک نہیں - بلکہ یہ ایک آتمک دروّیہ کا پرکاش ہے - وہ آتمک دروّیہ پرم آتما ہے - مختلف انسانوں کے مانسک جیون اسی ایک پرماتما کے ظہور ہیں - جو پرماتما اور مایا کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں - جس طرح ہزاروں تالابوں میں ایک سورج کے ہزاروں عکس پڑ جاتے ہیں - اسی طرح تمام انسانوں کے آتمک جیون پرماتما کے عکس ہیں - سوتنتر اور اصل ہستی پرماتما کی ہی ہے - انسانی آتما عکسوں کی طرح فقط پرتنتر ہستی رکھتے ہیں

(ج) آتمک جیون ایسی وستو کا پرکاش ہے - جو اپنے اصلی روپ میں مادہ کی طرح اناتمک نہیں - یہ وستو ہر ایک جیون کے لئے جدا جدا ہے - میرا آتمک جیون میرے آتما کا ظہور ہے میرے بھائی کا آتمک جیون اس کے آتما کا - دنیا میں ہر ایک آتمک جیون ایک واحد - خاص آتما کا پرکاش ہے +

آتمک جیون کا سروپ کیا ہے؟ اس سوال کے چار جواب سنکھشیپ سے اوپر لکھے گئے ہیں - پہلا جواب تو سوال کو ہی بیہودہ

ٹھہراتا ہے - اور کہتا ہے - کہ کوئی درویہ ہے ہی نہیں - گیان دھارا ہی ہے - جس کی ہستی ہے - اس کے بغیر کچھ نہیں - باقی جواب ایک درویہ کی ہستی کو جو انسانی آتمک یا جیون کی شکل میں اپنے آپ کو پرکاشت کرتا ہے تسلیم کرتے ہیں - لیکن اس درویہ کے سوروپ کے متعلق سہمت نہیں +

اب ہم اِن مختلف جوابوں کی سمالوچنا کرینگے - یہ سمالوچنا نہایت مختصر ہوگی - لیکن یہ جتانے کی کوشش کی جائیگی - کہ کس قسم کی وجوہات سے ہم بعض جوابوں کو تسلّی بخش قرار نہیں دے سکتے +

۳ - پہلا جواب بودھ لوگوں کا ہے - کہ گیان دھارا اپنے سے الگ کسی وستو کا ظہور نہیں - اس کے علاوہ کسی درویہ کی تلاش کرنا ہرن کے سینگوں کی تلاش کرنا ہے +

(۱) پہلی بات جس کے متعلق فیصلہ کرنا چاہئے - وہ یہ ہے کہ مانسک جیون میں جس بُنیادی امر (Elementary fact) کی بنا پر ہم یہ بحث کرنا چاہتے ہیں - وہ کیا ہے؟ کیا وہ امر یہ ہے کہ کوئی گیان ہے؟ یا یہ کہ میں کچھ جانتا ہوں؟ کیا وہ امر یہ ہے کہ کوئی سُکھ دُکھ ہے یا یہ کہ میں سکھی اتھوا دُکھی ہوں؟ کیا وہ امر یہ ہے - کہ کچھ کوشش ہوتی ہے یا یہ کہ میں کچھ کوشش کرتا ہوں؟ کیا مانسک جیون کے ٹکڑوں سے انومان کرنا ہوگا کہ من کوئی وستو ہے - یا ان جزوں میں ہر ایک کہتا ہی یہی ہے - کہ من جانتا ہے سُکھ دکھ انوبھو کرتا ہے یا کوشش کرتا

ہے؟ سوال یہ ہے کہ آتما کی ہستی کا آتمک جیون سے انومان کیا جاتا ہے۔ یا آتمک جیون کا ہر ایک حصّہ پرتیکش طور پر آتما کی ہستی پر گواہی دیتا ہے؟

یہ فرق بہت باریک ہے۔ اور ممکن ہے۔ میں یہ بھی ظاہر نہیں کر سکا۔ کہ سوال کیا ہے؟ لیکن جو لوگ سوال کو سمجھ سکتے ہیں وہ دیکھینگے۔ کہ اس کا جواب وہ آسانی سے حاصل نہیں کر سکتے۔ لطف کی بات یہ ہے۔ کہ پوچھنا اُنھوں نے اپنے آپ سے ہے۔ اور اپنی بابت پوچھنا ہے۔ اس سوال کا مختلف لوگ مختلف جواب دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مانسک جیون فقط گیان سُکھ دُکھ یا پریتن دیتا ہے۔ اور من کی درویہ ہستی کے متعلق انومان کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ انومان درست ہو یا غلط۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ مانسک جیون کی طرف دھیان کرنے سے اس کا ہر ایک جُز ورپرتیکش سے من کی ہستی کا اظہار کر رہا ہے۔ پاٹھکوں میں سے ہر ایک اپنے من سے یہ سوال پوچھ سکتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ کہ اس معاملہ میں ایک شخص کس طرح اپنا جواب صحیح تسلیم کرنے کیلئے دوسرے کو مجبور کر سکتا ہے۔ سچائی کے حاصل کرنے کے لئے اتنا ضروری ہے۔ کہ ہر ایک شخص جب اپنے من سے یہ سوال پُوچھے تو پہلے نرپکش ہووے۔ اور اپنی طرف سے پوری کوشش کرے۔ کہ وہ جواب کو جو کچھ بھی وہ ہو صحیح سنتا ہے +

(۲) اگر ہم مانسک جیون کے ایک جزو۔ ایک لمحہ کو نہ لیں۔ بلکہ تمام مانسک جیون کی طرف ایک ساتھ نگاہ کریں۔ تو معلوم ہوگا۔

کہ جو لوگ فقط گیان دھارا میں ہی بشواس رکھتے ہیں۔ ان کا پکش کتنا کمزور ہے۔ ہمارے مانسک جیون میں ایک قسم کی گٹھت پائی جاتی ہے۔ اور یہ گٹھت ہی اس کا پردھان چھنہ ہے۔ اس کے مختلف حصے فقط جُدا جُدا ٹکڑے ہی نہیں۔ جن میں سے ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے۔ بلکہ ان میں ایک اندرونی رشتہ ہے۔ جس رشتہ کے بغیر مانسک جیون ایک جیون نہیں ہو سکتا ہمارا مانسک جیون جُدا جُدا منکوں کی طرح نہیں۔ جو بکھرے پڑے ہیں۔ یا جن میں سے فقط ایک ہی ایک وقت موجود ہوتا ہے۔ بلکہ ایک مالا سے ملتا ہے۔ جس کے منکوں میں ایک ہی تاگا گذرتا ہے۔ یہ تاگا مختلف اور بکھرے ہوئے منکوں کو مالا کی ایکتا دیتا ہے۔ مانسک جیون کی ایکتا قائم نہیں رہ سکتی جبتک کہ مختلف اجزا کو ملانے والی چیز موجود نہ ہو۔ اگر کہا جائے۔ کہ منکے خود بخود ہی ایک دوسرے سے ملجاتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں ہم خود گیان دھارا کے انوپایوں سے ہی اپیل کر سکتے ہیں۔ ان کے خیال میں تو گیان کا ایک جزو ہی ایک وقت رہ سکتا ہے۔ دوسرے خیال اس وقت یا نشٹ ہو چکے ہوتے ہیں یا ابھی عالم ہستی کی طرف آئے ہی نہیں ہوتے۔ مالا سے بھی مانسک جیون کو تشبیہ دینا کچھ زیادہ موزون نہیں۔ دقت یہ ہے کہ مانسک جیون کو سمجھنے کے لئے مادی چیزوں کی مثال لینی پڑتی ہے۔ اور اس میں کچھ نہ کچھ نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ مانسک جیون کی لگاتار تبدیلی کا بیان جو آتماوادی لوگ دیتے ہیں۔ وہ نہایت

سادہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ مختلف خیال اور بھاو جاتے رہتے ہیں۔ آتما سدا موجود رہتا ہے۔ اور آتمک جیون اس آتما کا ہی پرنش ہے۔ آتمک جیون کی ایکتا اور اس کے قیام کا قدرتی نتیجہ ہے۔

(۳) انسانوں کے من جدا جدا ہیں۔ اور خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے۔ وہ ایک دوسرے کو بالمقابل کھڑے ہو کر دیکھ نہیں سکتے۔ مَیں فقط اپنے مانسک جیون کو دیکھ سکتا ہوں۔ میرا بھائی اپنے مانسک جیون کو۔ میرے غصّہ کو وہ انوبھو نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر میرا چہرہ سُرخ ہو جائے۔ ہونٹ ہلنے لگ جائیں۔ اور ایسے ہی دیگر آثار ظاہر ہوں۔ تو وہ انومان کر سکتا ہے۔ کہ مَیں ناراض ہوں۔ کیونکہ خود وہ جب ناراض ہوتا ہے۔ تو اس کی حالت میں یہی علامات ہوتی ہیں۔ یہ انومان ہے۔ سمبھو ہے کہ یہ غلط ہو۔ اور سمبھو ہے کہ صحیح ہو۔ لیکن کوئی شخص دوسرے کے جیون کو پرتیکش سے نہیں جان سکتا۔ یہ آتماؤں کے الگ الگ ہونے کا پرنام ہے۔ یہی حالت گیان دھارا کے مختلف انگوں یعنے خیالات کی ہونی چاہئیے۔ اگر گیان دھارا ہی سب کچھ ہے۔ تو ایک انوبھو دوسرے سے بالکل الگ ہے! اور ایک مانسک جیون میں کوئی دو انوبھو ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ محض گیان دھارا میں بشواس کرنے والے سمرتی (حافظہ) کا کوئی بیان نہیں دے سکتے۔ حافظہ یا سمرتی کا تتو یہ ہے۔ کہ موجودہ انوبھو کے متعلق میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ اسکی طرح ایک انوبھو کچھ عرصہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اور انوبھو کرنے والا دونوں انوبھووں کے وقت موجود ہوتا ہے سمرتی کا ہر ایک کام ان باتوں کو فرض کرتا ہے۔

(ا) ورتمان کال اور بھوت کال (زمانہ حال و ماضی) میں فرق ہے۔
(ب) کوئی ایسی چیز ان دونوں وقتوں میں موجود رہتی ہے۔ جو دونوں انوبھووں کی مشابہت کو دیکھتی ہے +
(ج) یہ دیکھنے والی چیز کوئی بیرونی چیز نہیں بلکہ خود انوبھو کرنے والی شکتی ہی اپنے انوبھووں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر اُنھیں ایک دوسرے جیسا قرار دیتی ہے +

اس طرح سمرن شکتی کا ہونا اس بات کا پتا دیتا ہے۔ کہ آتما گیان دھاراسے بڑھ کر کچھ ہے۔ مانسِک جیون پر لکھنے والے جو گیان دھارامت کے انویائی ہیں۔ اس دِقت کو انوبھو کرتے ہیں۔ اور مان بھی لیتے ہیں۔ کہ گیان دھارامت میں سمرتی کا کوئی تسلی بخش بیان نہیں دیا جا سکتا۔ بعض لوگ کہیں گے۔ کہ ایک انوبھو جاتا ہؤا اپنا گیان اپنے پیچھے آنے والے انوبھو کو دے جاتا ہے۔ دوسرا تیسرے کو تیسرا چوتھے کو اور اسی طرح سارے جیون میں ہوتا ہے جس طرح ایک سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر کے بعد دوسرا آتا ہے۔ اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ اور تیسرا نہ فقط اپنے وقت کا ہی حال جانتا ہے بلکہ اپنے سے پہلے جانے والوں کے عہدِ حکومت سے بھی واقف ہوتا ہے اسی طرح گیان دھارا کے مختلف حصّے اپنا اپنا گیان اپنے سے پیچھے آنے والے کو دیتے جاتے ہیں۔ اور اس طرح اس وقت کا انوبھو پچھلے سارے جیون سے واقف ہو جاتا ہے +

اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک ہیڈ ماسٹر دوسرے کو چارج دیتے وقت اس کے ساتھ مل کر بیٹھتا ہے۔ اُسے کئی

معاملات کے متعلق سمجھتا ہے۔ دوسرا سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ہمارے مانسک جیون میں تو ایک انوبھو (خیال) کے آنے پر دوسرا موجود ہی نہیں ہوتا۔ اور ہم خود اپنے جیون میں اس چارج لینے اور دینے کے جھگڑے کو محسوس بھی نہیں کرتے +

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جاوے۔ کہ جاگرت اوستھا میں ہر لمحہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ تو بھی زندگی کے ان حصّوں کے متعلق جو مانسک لحاظ سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ بڑی دِقّت رہ جاتی ہے۔ میں چھ گھنٹہ کی نیند کے بعد جاگتا ہوں۔ چھ گھنٹہ پہلے کا خیال کبھی کا گذر چکا ہے۔ نیا خیال اب پیدا ہوتا ہے۔ اِن دونوں کے درمیان ایک خالی جگہ ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہے۔ کہ اس سمہ کا خیال اس تمام واقفیّت کو حاصل کر لیتا ہے۔ جس کا مالک کبھی کا مر چکا ہے؟ ہم میں سے ہر ایک اپنے جیون کی طرف دھیان کرنے سے دیکھ سکتا ہے کہ اس عرصہ میں دھارا بہتی نہیں رہی ہے مانسک جیون لگاتار جاری نہیں رہا۔ جو لوگ آتما کی ہستی میں یقین کرتے ہیں۔ ان کے سامنے یہ کوئی دِقّت نہیں۔ کیونکہ سوپن سے پہلے سوپن کی اوستھا میں اور اس سے پیچھے ایک ہی آتما موجود رہا ہے۔ اس نے دونو حالتیں دیکھی ہیں۔ یہ یاد کر سکتا ہے +

(د) اخیر میں ہم یہ دیکھیں گے کہ گیان دھارا کے انویائیوں کے مت میں اور اخلاقی جیون میں بھی کچھ سمبندھ ہے یا نہیں۔ اخلاقی جیون کا سب سے بڑا اور پرسدھ اصول یہ ہے۔ کہ ہم اچھے

اور بُرے کرموں میں تمیز کرتے ہیں - اچھّے کرم کرنے والے کی پرشنسا کرتے ہیں - اور بُرے کرنے والے کو گھرِناکی نظروں سے دیکھتے ہیں - اِس قسم کی پرشنسا ہم اپنی اور دوسروں کی کرتے ہیں - اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو ملامت کا نشانہ بھی بناتے ہیں - یہ پرشنسا اور ملامت علم اخلاق میں ابتدائی اصول تسلیم کئے جاتے ہیں - اب سوال یہ ہے - کہ اگر آتما کوئی قائم رہنے والی ہستی نہیں - اور ہمارا جیون فقط اپنے آنے جانے والے انوبھوؤں کا مجموعہ ہے - تو جو سزا اور جزا دُنیا میں اچھّے بُرے کاموں کیلئے دی جاتی ہے - وہ انصاف پر مبنی ہے یا نہیں؟ انسانوں میں پچھلے نیک کاموں پر فخر کرنے کا جذبہ ہے - اور پچھلے بُرے کاموں کے لئے شرمندہ ہونے اور پشچاتاپ کرنے کا جذبہ بھی ہے - کیا یہ جذبات گیان دھارا مت کے مطابق بالکل بے معنی نہیں ہیں؟

کہتے ہیں - ایک راجہ نے دو شخصوں کو کسی جرم کی سزا میں پھانسی دیئے جانے کا حُکم دیا - جب ان کو پھانسی کے پاس لائے تو معلوم ہؤا کہ جو رسّی ان کے گلے میں ڈالنے کے لئے تیار رکھی گئی ہے وہ پوری نہیں آتی - راجہ نے حکم دیا دو اور آدمیوں کو پکڑ لاؤ جن کے گلے میں یہ رسّی پوری آسکتی ہو - یہاں ضروری سوال انصاف کا نہیں تھا - بلکہ یہ کہ محض اتّفاق سے کسی شخص کے گلے کی ساخت رسّی کے مطابق واقع ہوئی ہے +

بالکُل یہی گیان دھارا کے انویاییوں کے مُتعلّق کہا جاسکتا ہے کل ایک شخص نے پاپ کیا ہے - آج اُسے ڈنڈ ملتا ہے - جرم ایک

انوبھو نے کیا۔ سزا دوسرے کو ملتی ہے۔ کیونکہ یہ دوسرا اسی دماغ کے رستہ گذر رہا ہے۔ اگر سزا کا دیا جانا کل ۱۲ بجے پر ملتوی کیا جائے تو اِس وقت کا انوبھو نہیں۔ بلکہ ایک اور انوبھو سزا پائیگا۔ اور وہ محض اس لئے کہ وہ اتفاق سے کل ۱۲ بجے عالم ہستی میں آتا ہے۔ چونکہ ہمارے انوبھو اتنی تیزی سے گذر رہے ہیں۔ گیان دھارا واد کا نتیجہ یہ ہے کہ

(ا) کسی مجرم کو اس کے جرم کے لئے سزا نہیں دی جاتی۔

(ب) بیگناہوں کو دوسروں کے جرموں کے لئے سزا دی جاتی ہے +

یہ دو باتیں ہیں۔ اور دونوں ہی ہماری اخلاقی فطرت سے ٹکراتی ہیں۔ اگر ہم یہ بھی کہ دیں۔ کہ سزا جزا کا دینا جائز نہیں تو بھی یہ بات تو باقی رہ جاتی ہے۔ کہ ہم خود پچھلے کاموں کے لئے پشچاتاپ کرتے ہیں۔ اور فخر کرتے ہیں۔ ایسا کرنا اخلاقی زندگی کا ایک پر بدھ نشان ہے۔ اور جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے۔ کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اور تمام انسان ایک بڑے پاگل خانہ کے مہمان ہیں۔ تب تک گیان دھارا واد کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں ہوسکتا +

منش کا اخلاقی جیون ایک ایسی چٹان ہے۔ جس کے ساتھ ٹکرا کر یہ کمزور خیال ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے +

۴۔ جو لوگ پرکرتی کے اُپاسک ہیں۔ وہ آتمک جیون سے پرے

ایک درویہ کی ہستی ہیں یقین کرتے ہیں۔ لیکن اُن کا دعوےٰ ہے کہ یہ درویہ اپنے اصلی سوروپ میں اناتمک ہے۔ حرکت پرکرتی کا سوبھاوک گُن ہے۔ یہ حرکت پرکرتی کو ان تمام مختلف شکلوں میں ظاہر کرتی ہے۔ جو سنسار میں دکھائی دیتی ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کا تسلّی بخش بیان پرکرتی اور اس کی حرکت کی مدد سے نہیں دیا جاسکتا۔ جب مادہ ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تو اسکی حرکت کی ایک پیدائش مانسک جیون ہو جاتی ہے +

(۱) جو لوگ اس پکچش کے انویائی ہیں۔ وہ ہمیں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمارا آتمک جیون ہمارے جسم پر کتنا نربھر رکھتا ہے۔ ایک شخص کے جسم میں گڑبڑ ہوتی ہے۔ اُسے بخار چڑھتا ہے۔ اور اس جسمانی تبدیلی کی وجہ سے اس کے مانسک جیون میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ وہ بیہودہ بکواس کرنے لگ پڑتا ہے۔ کم از کم اپنی طاقت کا ایک حصّہ کھو بیٹھتا ہے۔ من کی طاقت میں یہ نہیں ہوتا۔ کہ جسم کو کہہ دے۔ مجھے تمہاری حالت کی پرواہ نہیں۔ میں اپنا کام حسب معمول کرتا جاؤنگا۔ بیماری اور صحت کی حالتوں میں ہمارے من کی اوستھا ایک نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے خون میں کوئی زہر داخل ہو جائے۔ تو اس کی مانسک اوستھا میں بڑا پریورتن ہو جاتا ہے۔ شراب گانجا وغیرہ کے نتیجے ہم روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ بعض اوقات ایک جسمانی تبدیلی کا اثر مانسک زندگی پر اتنا بڑا ہوتا ہے۔ کہ انسان ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جاتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر

ایک شخص کے سر پر سخت چوٹ آتی ہے۔ تو اس کی مانسک زندگی کچھ عرصہ کے لئے غائب ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس کا کوئی پرکاش ایسا نہیں ہوتا۔ جسے دوسرے انوبھو کر سکیں۔ یا وہ شخص بعد میں یاد کر سکے۔ اگر دماغ سے خون کی مقدار کم کی جاوے۔ تو نیند آ جاتی ہے۔ اور وہ کچھ عرصہ کے لئے من کو نکما کر دیتی ہے۔ فرانس میں ایک سپاہی کے ایسی چوٹ آئی۔ کہ بیچارے کی کھوپری کی سر سے جدا ہو گئی۔ لیکن اتنے صدمہ سے بھی وہ مرا نہیں۔ کھوپری کو ٹوپی کی طرح پہنے پھرتا تھا۔ غریبی کی وجہ سے مانگنے پر مجبور تھا۔ لوگ بازار میں چلتے چلتے اُسے ٹھہرا لیتے۔ اور اس کی کھوپری اُٹھا کر اس کے دماغ کو ہاتھ سے ذرا دبا دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ دماغ کے خون کا کچھ حصہ دماغ سے خارج ہو جاتا اور وہ شخص وہاں کھڑا کھڑا سو جاتا اور یہ حالت اس وقت تک جاری رہتی جب تک کہ دماغ میں خون کی مقدار پہلے جتنی نہ ہو جاتی۔ ایسی مثالوں کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟ مادہ پرست کہتا ہے۔ کہ ہم ہر وقت دیکھتے ہیں۔ کہ اِدھر ہمارے ہاتھ پر چوٹ لگتی ہے۔ اُدھر گیان اُتپن ہو جاتا ہے اِدھر ایک خاص آواز دماغ میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ اُدھر خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے واقعات سے مادہ پرست نتیجہ نکالتا ہے۔ کہ مانسک جیون جسمانی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ جس طرح حرارت۔ مقناطیسی کشش۔ بجلی وغیرہ حرکت کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح دماغی حرکت کی ایک شکل مانسک جیون ہے۔ مانسک جیون دماغی حرکت سے اُتپن ہوتا ہے۔

(۲۲) ہم تسلیم کرتے ہیں - کہ مانسک جیون اور جسم کی حالتوں میں ایک گہرا سمبندھ ہے - اور مانسک جیون جسمانی حالتوں پر نربھر رکھتا ہے - لیکن یہ سمبندھ اور یہ نربھرتا ہمیں اس نتیجہ پہنچنے کے لئے مجبور نہیں کرتے - کہ مانسک جیون مادّہ کی حرکت کا نتیجہ ہے - ذرا اسمبندھ کی دوسری طرف بھی خیال کریں - کیا ہم یہ نہیں دیکھتے کہ جہاں من جسم کی حالتوں کے ادھین ہے - وہاں جسم بھی من کے ادھین ہے؟ اگر ہم نرپکشن ہوکر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ادھین ہیں اگر جسم میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے مانسک اوستھا میں پریورتن ہوجاتا ہے - تو یہ بھی درست ہے - کہ مانسک اوستھا کا جسمانی اوستھا پر اثر ہوتا ہے - کون نہیں جانتا - کہ اچھی خوراک کھاتے ہوئے بھی ہم جسمانی لحاظ سے کچھ اونتی نہیں کرتے - اگر ہمارا من کسی غم یا فکر کا شکار ہو؟ ڈاکٹر جب مریض کا علاج کرتا ہے - تو اسے کہتا ہے "خوش رہو بُرے اور شوک جنک خیالات من میں نہ آنے دو" وجہ یہ ہے - کہ ڈاکٹر کو اس کے تجربہ نے بتلا دیا ہے - کہ جسم کی صحت محض خوراک اور دوائی پر نربھر نہیں رکھتی - بلکہ من کی اوستھا کا بھی اس پر اثر ہوتا ہے - بعض ڈاکٹر تو اب یہاں تک کہنے لگے ہیں - کہ مانسک اوستھا کے مقابلہ میں دوائی اور خوراک نچلے درجہ پر ہیں - اگر ہم یہ دیکھتے ہیں - کہ خون میں زہر کے داخل ہونے سے من کی حالت بگڑ جاتی ہے - تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے ہیں - کہ جب ایک شخص کسی خاص وجہ سے غمگین اور اُداس رہتا ہے - تو آہستہ

آہستہ اس کا خون بھی زہر آلود ہو جاتا ہے۔ اگر جسم کی تھکاوٹ کی وجہ سے مانسک شکتیاں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔ تو اس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ مانسک تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے جسمانی اِندریاں بھی کام سے رہ جاتی ہیں۔ اگر آواز یا سپرش کی وجہ سے جسم کی تبدیلی گیان اُتپن کرتی ہے۔ تو اُس کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ جب میرا آتما کسی حرکت کے لئے حکم دیتا ہے۔ تو جسم اس حکم کو مانتا ہے۔ اور وہ کام کیا جاتا ہے۔ دن بھر میرا جسم میرے آتما کے حکم مانتا رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اپنے خیال دوسروں پر ظاہر کروں۔ میری زبان ایک خاص طریق سے ہلنے لگ جاتی ہے۔ یا میرا ہاتھ قلم کو پکڑ کر خاص قسم کی لکیریں ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ عام لوگوں نے شائد کبھی اس طرف خیال نہیں کیا۔ اگر وہ خیال کریں۔ تو وہ یہ دیکھ کر ضرور حیران ہونگے۔ کہ ان کا جسم کتنی تیزی سے اور کتنی خوشی سے ان کے آتما کی آگیا دن کا پالن کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس قسم کی آگیا پالن ہی اِنسانی جسم کا مُکھیہ کام ہے +

جہانتک آتمک جیون اور جسم کی حالتوں کا سمبندھ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ سمبندھ پرسپر سمبندھ ہے۔ من کی حالت جسم پر اپنا اثر کرتی ہے۔ اور جسم کی حالت من پر اثر کرتی ہے۔ اس سمبندھ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آتما آزاد ہستی ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ جسم کی خاص حالتوں کا نتیجہ ہے۔ ایسا ہی ناجائز نتیجہ ہے۔ جیسا دوسرا نتیجہ جس پر بھی کئی لوگ پہنچے ہیں۔ کہ جسم اپنی کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ بلکہ آتمک

بھاووں کا نتیجہ ہے - یہ دونوں نتیجے ناجائز ہیں - جو سمبندھ ہم آتما اور شریر میں دیکھتے ہیں - اس کی بنا پر ہمارا حق نہیں - کہ ہم شریر کی آزاد ہستی سے انکار کر دیں - جیسے مایاوادی کرتا ہے - نہ ہمارا حق ہے - کہ ہم آتما کی آزاد ہستی سے اِنکار کر دیں جیسے مادہ پرست کرتا ہے - مایاوادی اگیان میں پھنسا ہوا ہے - اور اس سے بھی زیادہ گھور اندھکار میں مادہ پرست پھنسا ہوا ہے - وید بھگوان میں لکھا ہے - کہ اگیان کی اُپاسنا کرنے والے اندھیرے میں ہیں - اور ویسے ہی گیان کی اُپاسنا کرنے والے اندھیرے میں ہیں - مادہ پرست فقط مادہ اور حرکت کو ساری سرشٹی کے لئے کافی سمجھ کر ایک طرح سے اگیان کی پرستش کرتا ہے - مایاوادی مادہ کی ہستی سے ہی اِنکار کرتا ہے - اور سنسار کو مانسک خیالات کا مجموعہ کہہ کر ایک طرح سے گیان کی پرستش کرتا ہے - یہ دونو خیال سچائی کے ایک جزو سے انکار کرتے ہیں - اور اس لئے تسلیم کرنے کے قابل نہیں -
شریر کی حالتیں من میں تبدیلیاں کرتی ہیں - من کی حالتیں شریر میں تبدیلیاں کرتی ہیں - ایسی تبدیلیاں کس طرح ہوتی ہیں - یا ہو سکتی ہیں - ممکن ہے ہم اس سوال کا جواب نہ دے سکیں لیکن ہم دیکھتے ہیں - کہ ایسی تبدیلیاں ایک دوسری میں پیدا کرتا ہے مشہور سائنس دان ٹنڈل لکھتا ہے "میں دونوں تبدیلیوں کو نہیں سمجھ سکتا - لیکن میں اُن سے اِنکار نہیں کرتا - میں دو ایسی باتوں کے سامنے کھڑا ہوں - جو میری سمجھ سے باہر ہیں - میں بغیر کسی قسم کے ڈر کے مادہ پرستی کے واقعات کو تسلیم کرتا ہوں لیکن اس کے

ساتھ ہی مَیں جیو آتما کے اُس راز کے سامنے خاک میں سر جُھکاتا ہوں جسے اِس وقت تک جیو آتما نے نہیں سمجھا - اور جس کے متعلق ممکن ہے - انت میں یہی ثابت ہو - کہ وہ سمجھا نہیں جا سکتا"

(۳) اگر ہم امر واقعہ کے برخلاف ایک لمحہ کے لئے یہ بھی مان لیں کہ من کی اوستھائیں جسم پر اثر نہیں کرتیں - بلکہ فقط شریر کی اوستھائیں من پر اثر کرتی ہیں - تو اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا - کہ آتما کی کوئی آزاد ہستی نہیں ہے - زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں - کہ اس جیون میں جہاں ہم مانسک اور شاریرک زندگی کا سمبندھ دیکھتے ہیں - پہلے شاریرک زندگی کا ایک واقعہ ظہور میں آتا ہے - اور پیچھے مانسک زندگی کا - اس پہلے پیچھے آنے کے سمبندھ سے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے - یہ دعوے سے نہیں کہا جا سکتا - کہ شاریرک حالت من کی حالت میں تبدیل ہو جاتی ہے - یا من کی حالت کو پیدا کرتی ہے - مانسک جیون پر لکھنے والوں میں جو مانسک جیون کی نربھرتا پر زور دیتے ہیں - وہ مانسک جیون کی اصلیت (نیچر) کے متعلق بالکل خاموش رہتے ہیں - فقط پہلے پیچھے آنے کے سمبندھ کا ورنن کرتے ہیں *

انگریزی میں کہاوت ہے - کہ جہاں فرشتے چلنے سے ڈرتے ہیں - وہاں مورکھ کود پڑتے ہیں - اگرچہ مانسک جیون پر لکھنے والے اور دوسرے ودوان بھی مانسک جیون کی آزاد ہستی سے اِنکار نہیں کرتے - تاہم بہت سے ایسے لوگ ہیں - جنھیں ان کا محدود علم یہ دعوے کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے - کہ مانسک جیون مادہ کی حرکت

کی ایک خاص شکل ہے - یا اُس سے پیدا ہوتا ہے - پیشتر اس کے کہ ہم اس مضمون کو چھوڑیں - ہمیں ان دونو خیالات کی پڑتال کرنا بھی ضروری ہے +

(۴) پرکرتی کی حرکت مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے - کبھی یہ اگنی (حرارت) کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے - کبھی مقناطیسی آکرشن کی شکل میں کبھی بجلی کی شکل میں - کہا جاتا ہے - کہ مانسک جیون بھی اسی طرح حرکت کی ایک شکل ہے - یہ دعوے بالکل فضول ہے - بجلی مقناطیسی کشش حرارت وغیرہ سب ایک ہی قسم کے پدارتھ ہیں - وہ سب حرکتیں ہیں - لیکن مانسک جیون (سکھ دُکھ اچھیا دویش پریتن گیان) ایسا پدارتھ ہے - جس میں اور حرکت میں کسی قسم کی مشابہت نہیں - مادہ کی حرکت میں (یعنے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں) اور غصہ یا فکر میں اتنا سمبندھ بھی نہیں - جتنا سرخ رنگ میں اور ۳ ۱/۲ میل میں ہے - یا جتنا مصری کی مٹھاس میں اور دائرہ کے قطر اور چکر کی نسبت میں ہے - اور یہ سمجھ میں نہیں آسکتا - کہ کس طرح حرکت جو تبدیل ہو کر بھی کسی نئی قسم کی حرکت ہی بن سکتی ہے - گیان سکھ دُکھ اِتیادی جیون کی اوستھاؤں کی شکل اختیار کر سکتی ہے - فِسک کہتا ہے کہ جب ہم وہ دائرہ کھینچتے ہیں - جس کے چکر پر پرکرتی کی حرکت کی مختلف شکلیں رکھی جاتی ہیں - تو اس چکر پر ہم مانسک جیون کو نہیں دیکھ سکتے - یہ اُن حرکتوں میں (یا عام حرکت کی اُن شکلوں میں) شامل نہیں ہوتا +

(۵۶) بہت سے مادہ پرست بھی یہ انوبھو کرتے ہیں۔ اِس لئے عموماً یہ دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ کہ مانسک جیون دماغی حرکتوں سے اُتپن ہوتا ہے۔ گو نوعیت میں یہ دونوں بالکل مختلف ہیں۔ اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ مادّی دُنیا میں کارن اور کاریہ (علّت اور معلول) کا بھید کیول شکل کا بھید ہوتا ہے۔ کاریہ ظاہر ہوا ہوا کارن ہے اور کارن کاریہ ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہُوا۔ کوئی کارن اپنے سے مختلف نوعیت کا کارن پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ حرکت اپنے سے ایسی مختلف پدارتھ کو جیسا کہ گیان ہے۔ پیدا کردے؟ ان دونوں پدارتھوں میں اِتنا فرق ہے۔ کہ ایک سے دوسرے کی پیدائش سمجھ میں بھی نہیں آسکتی۔ پروفیسر ٹنڈل کہتا ہے۔ کہ دماغی حرکتوں سے من کی اوستھاؤں کا پیدا ہونا ایسی بات ہے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے۔ اگر ہم دماغ کے ذرّہ ذرّہ کو جانتے۔ ان میں سے ہر ایک کی حرکت کے متعلّق ہمیں پورا علم ہوتا۔ اور اس کے ساتھ ہی مانسک حالتوں کے متعلق بھی ہمیں پوری واقفیت ہوتی تو بھی یہ چیزیں اِتنی مختلف ہیں۔ کہ ہم ان کا تعلق سمجھنے کے ناقابل ہوتے۔ ان دونوں قسموں کے ظہوروں کے درمیان ایسا فاصلہ رہتا جو ہم خیال میں بھی گذار نہ سکتے۔ جو لوگ اپنے تھوڑے سے گھمنڈ میں کہہ دیتے ہیں۔ کہ مانسک جیون مادہ کی حرکتوں سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی نسبت اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جہاں فرشتے چلنے سے ڈرتے ہیں۔ وہاں مورکھ کُود پڑتے ہیں؟

۵ (۱) تیسرا خیال ان لوگوں کا ہے۔ جو آتمک وستو کی ہستی میں تو یقین کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں مانتے کہ مجھ میں ایک ایسی وستو ہے اور میرے بھائی میں ایک دوسری ایسی ہی وستو ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ سارے وشو میں ایک ہی آتما ہے۔ مختلف جیو آتما جو دکھائی دیتے ہیں۔ سب اسی ایک آتما کے ظہور ہیں۔ یہ خیال اس وقت آریہ ورت میں ایک زبردست خیال ہے۔ دوسرے دیشوں میں بھی اس خیال کو ماننے والے ہوئے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ لیکن جس طرح ہمارے دیش میں گلی کوچوں میں اور گاؤں کے جھونپڑوں میں اس فلسفہ پر معقول بات چیت کرنے والے مل سکتے ہیں۔ ایسے اور کسی دیش میں نہیں مل سکتے۔ اگر ہندوستانیوں کو فلاسفروں کی قوم کہا جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ جہاں دوسرے دیشوں میں ایسے خیالات ایک خاص طبقہ تک محدود رہے ہیں۔ وہاں ہمارے دیش میں یہ خیال سوسائٹی کے سارے طبقوں میں اس طرح سرایت کر گئے ہیں۔ کہ قومی جیون سے ان کا جدا کرنا ناممکن سا ہو گیا ہے۔ جو شخص اپنا کام محض مانگنا بنائے بیٹھا ہے۔ وہ بھی ویدانت کی تعلیم دے کر اور دنیا کے مِتھیا ہونے کی بات کہہ سُن کر پیسہ مانگتا ہے ❋

آجکل ہندوستان میں نیائے اور سانکھ پر بھی گرنتھ لکھے جاتے ہیں۔ لیکن جتنا ویدانت پرچلت ہے۔ اُتنا آرین فلسفہ کا اور کوئی بھاگ پرچلت نہیں۔ ویدانت کی طاقت بہت کچھ اس بات میں بھی ہے۔ کہ انگنت عام فہم مثالیں جنھیں گنوار لوگ بھی

سمجھ سکتے ہیں۔ اکٹھی کی گئی ہیں - اور عام لوگ جو مثال اور دلیل میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ان مثالوں کو سُن کر سر تسلیم خم کر لیتے ہیں +

(۲) کہا جاتا ہے۔ کہ جس طرح سورج ایک ہے۔ لیکن ہزاروں تالابوں میں اس کے عکس پڑتے ہیں - اور اس طرح ہزاروں عکسی سورج بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اصل میں آتما ایک ہی ہے۔ مختلف جیو آتما اس کے عکس ہیں - ان کی اپنی سوتنتر ہستی نہیں۔ یہ سب اسی اکیلی ہستی کا پرتی بمب ہیں - سنسار سب متھیا ہے۔ جس طرح سوپن میں چیزیں ہمیں چلتی پھرتی اور اصلیت رکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں - لیکن جاگرت اوستھا میں آتے ہی ہمیں اپنے بھرم کا گیان ہو جاتا ہے - اسی طرح ہمارا سنسار کو اصلیّت سمجھ لینا اور اس میں اپنے آپ کو ایک علیحدہ ہستی تصوّر کر لینا ایک خواب ہے - جب ہم آتمک جاگرت میں آئیں گے - تو سارا بھرم دُور ہو جائیگا - یہ آتمک جاگرت کیا ہے ؟ یہی کہ ہم سمجھ لیں - کہ ہم برہم کا ہی سوروپ ہیں - برہم کا ہی عکس ہیں - ہم بذاتِ خود کچھ بھی نہیں فقط برہم اور مایا کے ملاپ کا عارضی نتیجہ ہیں +

یہ خیال انگنت جیو آتماؤں اور پرماتما کی جگہ فقط ایک پرماتما ہمیں دیتا ہے - اور اس طرح اُس کثرت کی جگہ جس سے ہم ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں - ایکتا دے لیتی ہے - اس قسم کی ایکتا کا حاصل کرنا بعض لوگ سائنس اور فلسفہ کا آدرش سمجھتے ہیں - یہی اس خیال کا سب سے بڑا اُبھا ئمان چنہہ ہے - لیکن ہمیں سچّائی کی تلاش کرنی چاہئے - اگر سادگی سچّائی کو قربان کر کے

ملتی ہے۔ تو اس سادگی کی نسبت سادگی کا ربھاو ہی بہتر ہے۔ اب ہم مختصر طور پر اس خیال کی سمیکھشا کرینگے +

(۳) سنسار کا بھرا ہؤا سوروپ اور اس میں اتنے اَنگنت جیو آتماؤں کا معلوم ہونا اس خیال کے مطابق ایک بھرم کا نتیجہ ہے۔ یہ بھرم برہم کو ہؤا۔ کیونکہ برہم ہی اکیلی ہستی ہے۔ یہاں سب سے پہلا سوال یہ اُٹھتا ہے۔ کہ برہم کیوں مایا کا شکار ہؤا؟ وہ کیوں بھرم میں پھنسا؟ کیا مایا بھرم نے کسی خاص وقت میں ہمارے برہم کو آ پکڑا یا پہلے ہی سے برہم کے ساتھ یہ بیماری لگی ہوئی تھی؟ اگر کہا جائے کہ کسی خاص وقت میں مایا نے برہم پر اپنا شاسن کیا۔ اور اس سے پہلے برہم شُدھ تھا۔ تو سوال ہوتا ہے۔ کہ جب پہلے برہم کی ہستی اکیلی تھی۔ تو اس مایا کے پیدا ہونے کا کارن کیا ہؤا؟ اگر مایا برہم سے کچھ الگ ہے۔ تو اس کی پیدائش کے لئے ضروری ہے کہ برہم نے کسی اور وستو پر عمل کیا ہو۔ یا کسی اور وستو نے برہم پر کام کیا ہو۔ بہر حال برہم کے جیون میں ایسے حادثہ کے لئے کوئی کافی وجہ ہونی چاہئے۔ جس کے سبب سے برہم ہمیشہ کے لئے اپنی شُدھ سوروپ کو کھو بیٹھا۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ کسی خاص وقت میں برہم کی جیون میں یہ حادثہ نہیں ہؤا۔ بلکہ انادی کال سے جب سے برہم ہے۔ مایا اس کے ساتھ اس کے انگ سنگ اس کا گُن بن کر رہی ہے۔ تو برہم کے متعلق ہمارا خیال بہت نچلے درجہ کا ہو جاتا ہے۔ پرماتما کا خیال جب کیا جاتا ہے۔ تو سب سے پہلے ست سوروپ کہا جاتا ہے۔ پرماتما (سچدانند) کے

بیتن پرسِدّھ گنوں میں ستّ کا ورنن سب سے پہلے ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ہمیں پرماتما کا جو سوُروپ دیا جاتا ہے۔ اس میں مورکھتا۔ اگیان۔ مایا۔ بھرم پرماتما کا ایسا گُن بتایا جاتا ہے۔ جو سدا سے اس کے ساتھ ہے۔ اور جہانتک ہم دیکھ سکتے ہیں۔ ہمیشہ تک اس کے ساتھ رہیگا +

(۴۱) یہ تو ہُوا بھرم کا حال۔ اب دُکھ کو دیکھیں سنسار میں جس طرف نظر ڈالیں۔ دُکھ کی موجودگی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دینگے۔ کہ سنسار دُکھوں کا گھر ہے۔ جس میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی سُکھ بھی نظر پڑ جاتا ہے۔ لیکن دُکھ کا کوئی حساب ہی نہیں۔ اگر ہم اس خیال سے اتفاق نہ بھی کریں۔ تو بھی ہمیں یہ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ سنسار میں دُکھ کا وجُود ہے یہ دُکھ کہاں سے آیا؟ ویدانتی جواب دینگے۔ اگیان کا نتیجہ ہے۔ اگیان کس کو ہے؟ جیووں کو نہیں۔ جیو تو کچھ ہیں ہی نہیں۔ اگیان پرماتما کو ہے۔ بلکہ یُوں کہنا چاہئے۔ کہ پرماتما اگیانی ہونے کی حالت میں جیو کہلاتا ہے اور اسی حالت میں دُکھی ہوتا ہے۔ اس طرح سنسار میں جتنا دُکھ موجود ہے۔ وہ سب پرماتما کی جیون میں ہے اُس دُکھ کا اندازہ کرو اور پھر اُس پرماتما کی حالت کا خیال کرو جس کا دُکھ ایک انسان کا دُکھ نہیں۔ بلکہ جس کا دُکھ وہ تمام دُکھ ہے۔ جو ہمیں سنسار میں انسانوں حیوانوں ہر قسم کے جانداروں کو ہوتا ہُوا دکھائی دیتا ہے۔ اگر مجھے کہا جاوے۔ کہ تمہیں ایسا پرماتما بنائے دیتے ہیں۔ تو میں خودکشی کر لوں۔ لیکن ایسا

پرماتما بننے کا نام نہ لوں - ویدانتی لوگ بعض اوقات کہہ دیتے ہیں - کہ اصل میں دُکھ کی ہستی ہی نہیں - یہ بھی بھرم ہے - یہ اگیان کا نتیجہ ہے جس طرح سوپن میں ایک شخص شیر کو اپنی طرف آتا ہُوا دیکھتا ہے - اور ڈرتا ہے لیکن جاگتے ہی اس کا ڈر جاتا رہتا ہے جس طرح ایک شخص رسّی کو سانپ تصوّر کر کے ڈرتا ہے - لیکن رسّی کو رسّی انوبھو کر کے اس ڈر سے آزاد ہو جاتا ہے - اسی طرح دُکھ اُسی وقت تک ہے جب تک ہم اپنے آپ کو باقی وشو سے جُدا سمجھے بیٹھے ہیں - باقی وشو میں مل کر ایک پرماتما کا پرتی بمب اپنے آپ کو تصوّر کرو - تمام دُکھ کافور ہو جائیگا - اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم تصوّر کرنے والے ہی کون ہیں - کہ اپنے آپ کو باقی وشو سے جُدا نہ تصوّر کریں - بلکہ ایک پرماتما کا سوروپ ہی جانیں یہ تصور کرنے والی ایک ہی ہستی ہے - وہ پرماتما ہے - ویدانتیوں کے خیال کے معنے یہ ہیں - کہ جب تک پرماتما بھرم جال میں پھنس کر اپنے آپ کو بہت سوروپوں میں دیکھتا ہے - اُسے دُکھ ہوتا ہے - جب اپنے آپ کو ایک ہی سوروپ جان لیتا ہے - تمام دُکھ دُور ہو جاتا ہے - یہ تو پرماتما کی قسمت رہی کہ کب تک وہ اپنے آپ کو بہت سوروپوں میں تصور کئے رہینگے - اور دُکھ اُٹھاتے رہینگے لیکن دُکھ کا کارن خاص کچھ ہی ہو - دُکھ تو اصلی ہے - دُکھ کی ہستی میں تو شک نہیں - سوپن میں ایک شخص شیر کو اپنے پاس آتا ہُوا دیکھتا ہے اور ڈرتا ہے - یہ مانا کہ شیر کی حقیقت کچھ نہیں - لیکن اس کے ڈر کی تو حقیقت ہے - جبتک سوپن جاری ہے - اس کا ڈر اصلی ڈر ہے - اسیطرح جو شخص رسّی کو سانپ سمجھ کر ڈرتا ہے - اس کا ڈر ایسا ہی حقیقی ڈر ہے جیسا سانپ سے ڈر

ہوتا ہے۔ جس وقت یہ بھرم بنا ہے۔ اُس وقت ڈر بھرم نہیں۔ بلکہ ڈر حقیقت میں ہستی رکھتا ہے۔ پرماتما کے دُکھ کا کارن اگیان ہو۔ لیکن اس سے دُکھ کی اصلیت میں فرق نہیں آسکتا +

اِس طرح جہاں بھرم یا اگیان پرماتما کا ایک ہمیشہ ساتھ رہنے والا گُن ہے۔ دوسری طرف اِس وقت دُکھ پرماتما کے جیون میں موجود ہے۔ اور اس کی مقدار بہت بڑی ہے +

(۵) بھرم اگیان اور دُکھ بُری چیزیں ہیں۔ لیکن خیر یہ قابل برداشت ہیں۔ ان سے زیادہ بُری اخلاقی بُرائی ہے۔ پاپ کا وجود بھی ایک ایسا امر ہے۔ جس کا ویدانتی خیال کے مطابق تسلّی بخش بیان دینا اسمبھو ہے۔ دُنیا میں پُن اور پاپ کا وجود ہم دیکھتے ہیں۔ اور خواہ ویدانتی کچھ ہی کہیں۔ انسانی آتما اس تفریق اور تمیز کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ ویدانتی خیال کے مطابق ایک ہی ہستی ہے۔ اور وہ برہم ہے۔ اگر پاپ موجود ہے۔ تو وہ پرماتما یا برہم کے جیون میں ہونا چاہئے عام آستکوں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ پرماتما پاپ کو سنسار میں رہنے دیتا ہے۔ اور پاپ کرنے کی شکتی انسانوں سے چھین نہیں لیتا۔ ویدانتیوں پر اعتراض یہ ہوگا۔ کہ سارا ظلم اتیاچار جو سنسار میں ہو رہا ہے۔ وہ پرماتما کی ذات سے ظاہر ہو رہا ہے +

اس طرح یہ خیال کہ پرماتما ہی برہمانڈ میں اکیلی ہستی ہیں۔ اور تمام جیو آتما فقط ان کے پرتی بمب ہیں۔ گو ظاہر میں پرماتما کا گورو ظاہر کرتا ہے۔ مگر اصل میں پرماتما کا بہت چھوٹے درجہ کا خیال ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اس خیال کے مطابق

(ا) اگیان پرماتما کے ساتھ سدا سے ایسی طرح لپٹا ہؤا ہے کہ اُس سے عام کہانی کے کمبل کی طرح پرماتما اپنے آپ کو آزاد نہیں کر سکتا +

(ب) پرماتما کا جیون ایک دُکھی جیون ہے۔ جس کے دُکھ کی مقدار کا خیال کر کے بھی ہردیہ کانپ جاتا ہے +

(ج) پرماتما کی ذات پاپ سے خالی نہیں۔ بلکہ سنسار کا سارا پاپ اُسی کے جیون میں ہے +

(د) پرماتما کی ذات کے متعلق اِس خیال سے اور بھی کئی قسم کے اعتراض ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بات کو میں جانتا ہوں۔ میرا بھائی نہیں جانتا۔ ہم دونوں کی ہستی تو اصلی ہستی نہیں۔ پرماتما ہی ایک وقت میں جانتا ہے اور نہیں بھی جانتا۔ پھر بعض حالتوں میں ہم دونوں کا گیان ایک دوسرے کے مخالف ہوتا ہے۔ اس صورت میں ایک سچا گیان ہوگا۔ دوسرا مِتھیا۔ ویدانتی خیال کے مطابق پرماتما ایک ہی وقت کا سچا اور غلط گیان ایک ہی وقت رکھتا ہے۔ اُسی طرح ایک ہی بات کی وجہ سے پرماتما کے دل میں مختلف بھاو پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص مر جاتا ہے۔ اس کے گھر والے دُکھی ہیں۔ لیکن وہ شخص جو اس کے قرض دار ہیں۔ اور جنھوں نے اپنے قرضہ کے متعلق کوئی اقرارنامہ نہیں لکھا ہے۔ خوش ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کہینگے۔ کہ پرماتما اپنی موت کی وجہ سے (خواہ اس کے معنے کیا ہی ہوں) ایک ٹکڑے میں خوش ہے۔ دوسرے میں دُکھی ہے +

(۷) ایسے کئی اعتراض ہو سکتے ہیں - لیکن ہم ان کو چھوڑ دینگے اور دیکھینگے - کہ اِس خیال کو قبول کر کے ہمیں اپنے متعلّق کیا خیال کرنا پڑتا ہے +

اگر پرماتما ہی اکیلی ہستی ہیں - اور ہم محض عکس کی سی ہستی رکھتے ہیں - تو ظاہر ہے - کہ نہ ہم کچھ کرتے ہیں - نہ ہم کسی کام کے لئے ذمہ وار ہیں - یہ دونوں نتیجے ایسے ہیں جنھیں قبول کرنا مشکل ہے - کوئی اِنسان اپنے آپ کو عکس تسلیم نہیں کرتا - اگر حقیقت یہ ہے کہ سارے اِنسان پرتی بمب ہیں - لیکن اپنے آپ کو سوتنتر ہستیاں تصوّر کرتے ہیں - تو دُنیا ایک عظیم پاگل خانہ ہے - جہاں ہر ایک کا سر پھرا ہؤا ہے - پھر انسانی آتما میں نیکی اور بُرائی کی تمیز ایک قدرتی جذبہ ہے - ہم خاص کاموں کے لئے اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھکارتے ہیں - اور خاص کاموں کے لئے سراہتے ہیں - ویدانت کے مطابق یہ تمیز بے معنے ہے - اور سارے کام ایک جیسے ہیں - نوین ویدانت کا خیال انسان کی اخلاقی زندگی کا خاتمہ کر دیتا ہے - کیونکہ اس زندگی کا جیون ہی اچھے بُرے کی تمیز ہے علم اخلاق کا کام اس فرق کو صاف طور پر درشاتا ہے دھرم شاستر کا کام ان میں سے ایک (اچھے کام) کو جیون میں گرہن کراتا ہے - اور دوسرے (بُرے کام) سے آزاد کرنا ہے - جس خیال کی ہم سمیکھشا کر رہے ہیں - اس کے مطابق نہ جیون رہتا ہے - نہ جیون کے کاموں میں اچھے بُرے کی تمیز رہتی ہے - اخلاق اس خیال کے مطابق اندھیرا ہے - جو گیان کی جوتی کے پرکاش کے ساتھ

ہی دور ہو جاتا ہے +

میری لڑکی تین برس کے قریب عمر کی تھی۔ جب کھیلتے کھیلتے اُسکی نظر اپنے سایہ پر جا پڑی۔ اس نے دیکھا جب وہ کرسی کی طرف جاتی ہے۔ تو ایک لڑکی زمین پر لیٹی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے اسی طرف چل پڑتی ہے۔ جب دوسری طرف جاتی ہے۔ تو بھی وہ دوسری لڑکی اس کا پیچھا کرتی ہے۔ لڑکی اس بے جا دخل سے بہت جھنجلائی۔ اور دخل دینے والی کو پاؤں سے مارنے لگی۔ یہ دوسری لڑکی ایسی ڈھیٹھ نکلی کہ اس پر مار کا بھی اثر نہ ہُوا۔ اور وہ برابر پہلے کی طرح اس کے ساتھ لگی رہی۔ لڑکی تھک کر ہار گئی۔ یا شاید کسی اور زیادہ دلچسپ چیز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے یہ لڑائی نہیں دیکھی۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں۔ کہ یہ جھگڑا سمجھو نہیں۔ میری لڑکی انوبھو کرتی ہے۔ کہ یہ دوسری لڑکی کوئی شرارت نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں شرارت کرنے کی قابلیت ہی نہیں۔ اس کی کوئی ہستی ہی نہیں۔ ایسی چیز کو مارنا اب وہ اپنی مورکھتا خیال کرتی ہے +

اگر ہم سب ایک ہی برہم کے عکس ہیں تو جو ڈنڈ اور انعام دیئے جاتے ہیں۔ وہ ایک دو تین سال کے بچے کی حالت میں تو درگذر کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ تمیز والے کے لئے مناسب نہیں۔ انسان انسانوں کو سزائیں دیتے ہیں۔ یہ اس واقعہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ زیادہ ابجست ہے۔ کیونکہ سایہ سایہ کو مارتا ہے۔ لیکن ویدانت کے مطابق برہم ہی ایک

ہستی ہے۔ وہی اپنے آپ کو مارتا ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اس نے اپنے ہی برخلاف پاپ کیا ہے۔ وہی اپنے آپ کو انعام دیتا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی ہی آگیا انوسار کوئی اچھا کام کیا ہے ہم نے پاگلوں کو دیکھا ہے۔ کہ خود اپنے آپ کو گالی دیتے ہیں اور گالی دینے والے کو اجنبی تصور کر کے اپنی گال پر طمانچہ لگا دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ پاپی اجنبی کو سزا مل گئی ہے۔ یا خود ہی اپنی پرشنسا کرتے ہیں۔ اور پرشنسا کرنے والے کو اجنبی تصور کر کے اپنے پاؤں دبانے لگتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ پرشنسا کرنے والے یا دبا کرنے والے کی سیوا کر رہے ہیں۔ اگر مجھے کہا جائے۔ کہ برہم بھی ایسا ہی پُرش ہے۔ اور دُنیا کی سزا اور جزا اسی قسم کی سزا اور جزا ہے۔ تو میں شرم سے سر نیچا کر لونگا۔ کیونکہ میرا ایک بھائی انسان پرماتما کے متعلق ایسا خیال پیش کرتا ہے۔ اور میری اور اپنی ہستی کو بھی صفر سے بڑھ کر درجہ نہیں دیتا +

ممکن ہے یہ کہا جائے۔ کہ دُنیا میں جو سزا جزا دی جاتی ہے وہ غیر معقول ہے۔ سزا جزا کا وجود دُنیا سے خارج کر دینا چاہئے۔ اس میں ایک نقص کا تو ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اس نامعقول فعل کا کرنیوالا پرماتما ہے۔ دوسرے یہ کہ اعتراض اتنا نہیں۔ کہ سزا اور جزا ملتی ہے۔ بلکہ یہ کہ ہماری آتما اپنے آپ کو سزا اور جزا کی مستحق خیال کرتی ہے۔ اگر باہر کی طاقتیں سزا نہ بھی دیں۔ تو بھی پاپ کے بعد ہماری ضمیر ہمیں کوستی ہے۔ اور ہماری آتما اپنے آپ کو

اس کام کے لئے ملامت کرتی ہے +

(۸) کیا ہم تیار ہیں کہ اننت جیو آتماؤں کی جگہ ایک برہم کو دے کر جو سادگی نوین و یدانت ہمیں دینا ہے اُسے گرہن کریں۔ اور اسکی پوری قیمت ادا کریں؟ اس کی قیمت یہ ہے۔ کہ جہاں ایک طرف ہمیں پرماتما کو اگیانی۔ دُکھی۔ پاپی۔ پاگل۔ ناممکن باتیں کرنے والا تصوّر کرتا پڑتا ہے۔ وہاں اپنے آپ کو بھی سایہ اور عکس کے سمان سمجھنا ہوتا ہے۔ اخلاقی جیون اور اخلاقی تمیزوں کو بھرم کہہ کر اُن سے کنارہ کرنا پڑتا ہے۔ جو کچھ انسانی جیون میں کام کا ہے اُسے خیرباد کہنا اور جو کچھ نفرت کرنے کے یوگیہ ہے۔ اُسے پرماتما کی ذات میں جمع کرنا پڑتا ہے۔ میں ایسی قیمت دینے کے لئے تیار نہیں۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ کوئی سمجھدار انسان بھی اِن سب باتوں کا خیال کرکے ایسا مہنگا سودا کرنے پر تیار نہیں ہوگا +

۶۔ جیو آتما کے متعلق آریہ سدھانت کیا ہے؟ آریہ سدھانت وہی ہے جو عام منش ماتر کا وشواس ہے۔ کہ جیو آتما ایک درویہ ہے۔ جس کی پرکاش کا نام آتمک جیون ہے۔ یہ جیو آتما ہر ایک پُرش میں جُدا ہے۔ اپنے کرموں میں سوتنتر ہے۔ لیکن پھل بھوگنے میں سوتنتر نہیں۔ کرموں کا پھل دینا سنسار کے ادھشٹاتا پرماتما کا کام ہے۔ جیو آتما نہ کبھی کسی وقت میں بنایا گیا ہے۔ نہ کبھی ناش ہوگا۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہیگا +

جیو آتما کا آدا اور انت سے آزاد ہونا ایک ایسا سدھانت ہے۔ جو ان آریہ لوگ تسلیم نہیں کرتے چونکہ آریہ سماج کی تعلیم میں یہ ایک پرسدھ سدھانت ہے۔ اگلے لکچر میں اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کیجائیگی +

چوتھا لیکچر

آتما نِتیہ (غیر فانی) ہے

۱- آتما کے سوروپ سے پرمان - کوئی ست پدارتھ فانی نہیں ہو سکتا - ۲- آتمک جیون سے پرمان (۱) آگے اور پیچھے دیکھنا ہمارے مانسک جیون کا خاصہ ہے (۲) ہمیشہ زندہ رہنے کی زبردست چیشٹا ہر ایک جیو میں پائی جاتی ہے - ۳- اخلاقی دلیل (۱) اخلاقی آدرش کو پہنچنے کے لئے کافی وقت ملنا چاہئے (۲) موجودہ زندگی اس کام کے لئے ناکافی ہے کیونکہ (۱) بہت سے لوگ اخلاقی جیون شروع کرنے سے پہلے مر جاتے ہیں (ب) بہت سے ایسے ہیں - جنھیں زندگی کی جد وجہد اخلاقی اُنتی کی فرصت نہیں دیتی (ج) بعض حالتوں میں اخلاقی اُنتی کے موقعوں کو قربان کرنا پڑتا ہے (د) جنھیں ہم مہاپُرش سمجھتے ہیں - وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ (۳) آتما کے فانی ہونے کی حالت میں انسانی کوششوں کا پرنام - ۴- آستِک بھاؤ سے پرمان (۱) انسانوں کی حالتوں میں فرق - نیائے کاری پرماتما کے راجیہ میں اس کا کارن (۲) اس تفرقہ کا اور کوئی بیان تسلی بخش نہیں مسیح کا سمادھان - ۵- عملی جیون سے پرمان - آتما کو غیر فانی ماننے والے کے موجودہ جیون پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ۶- ہر ایک منش فانی ہے - لیکن انسانی جماعت غیر فانی ہے - اس خیال کی سمیکشا +

پچھلے لیکچر میں ہم نے آتما کے سوروپ کے متعلق وچار کیا ہے - اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں - کہ آتما ظہوروں کی لڑی نہیں - نہ ہی وہ مادہ کی حرکت کا نتیجہ ہے - نہ ہی پرماتما کا پرتی بمب ہے - بلکہ آتما اپنی ایک ہستی رکھتا ہے - اور ایک دروییہ پدارتھ (Substance)

قائم بالذّات) ہے - اس لکچر میں ہم وچار کرینگے - کہ آیا آتما کی زندگی اس موجودہ زندگی کے ساتھ شروع ہوکر اسی کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے - یا آتما ایک نت رہنے والی وستو ہے +

اس تعلّق میں پہلی بات وچار کے قابل یہ ہے - کہ کوئی ستّ پدارتھ انت نہیں ہوسکتا - آستک پرماتما کو مرنے اور پیدا ہونیکے بندھن سے آزاد مانتے ہیں - ہمارے اِردگرد پرکرتی کی دُنیا پھیلی ہوئی ہے - اس کے متعلّق ہم کیا دیکھتے ہیں ؟ عام لوگ کہتے ہیں - کہ براکرت چیزوں کا ناش ہوتا ہے - اور وہ پیدا ہوتی ہیں - لیکن جو لوگ سائنس سے کچھ بھی واقفیّت رکھتے ہیں - وہ جانتے ہیں - کہ یہ خیال کیسا غلط ہے - سائنس کی تعلیم میں مادہ کے مُتعلّق پہلی بات جو سکھلائی جاتی ہے - وہ یہ ہے - کہ **مادہ اپنے روپ بدلتا ہے - پرنتو نہ ناش ہوتا ہے نہ اُتپن ہوسکتا ہے** - مادہ کی خاص مقدار دُنیا میں ہے - نہ وہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے - ایک گنوار دیپک جلتا دیکھتا ہے - اور خیال کرتا ہے - کہ تیل جل کر ناش ہوگیا ہے - مگر سائنس کے جاننے والے اپنے تجربوں اور ترازو کی مدد سے بتاتے ہیں - کہ تیل کا ایک ذرّہ بھی ناش نہیں ہوتا - برکھا ہوتی ہے - تالاب بھرجاتے ہیں - ہرطرف جل ہی جل دکھائی دیتا ہے - تھوڑے دنوں کے بعد وہ پانی غائب ہوجاتا ہے - کچھ پرتھوی میں سما جاتا ہے - کچھ سورج کی گرمی سے بُخارات کی شکل میں تبدیل ہوکر اوپر اُڑ جاتا ہے - پرتھوی میں سمایا ہوا پانی پھر چشموں کی

شکل میں نکل پڑتا ہے - پانی کے بُخارات اُوپر جاتے ہیں - اور جب کسی سرد کثوہ ہوا کے سمبندھ میں آتے ہیں - تو پانی کے قطرے بن کر بادلوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں - اور پھر برکھا بن کر نیچے آ جاتے ہیں - اِس طرح پرکرتی اپنی حالتیں بدلتی رہتی ہیں - لیکن کچھ ناش نہیں ہوتا - زمین کی کھاد سبزی میں تبدیل ہوتی ہے سبزی حیوانوں کے گوشت میں بدل جاتی ہے - اور وہ گوشت حیوانوں کے مرنے کے پیچھے پھر کھاد بن جاتا ہے - یہاں بھی ایک چکر ہے - ناش یا اُتپتی نہیں ہے - ست پدارتھ کا ناش ہونا یا اتپن ہونا انسانی سمجھ میں ہی نہیں آ سکتا - اگر انسانی آتما ایک ستّ پدارتھ ہے - جیسا کہ پچھلے لکچر میں ہم نے دیکھا ہے - تو ہمیں مجبوراً ماننا پڑتا ہے - کہ وہ جنم مرن کے بندھن سے آزاد ہے - وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک قائم رہیگا - آتما کے نت ہونے کی یہ دلیل آتما کی سوروپ پر مبنی ہے ؛

۲ - اب اگر آتمک جیون کی طرف نگاہ کریں - تو وہاں بھی ہمیں ایک ایسا نشان ملتا ہے - جس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں - کہ آتما کی ہستی موجودہ زندگی کی حدّوں میں قید نہیں - بلکہ ان سے پرے جاتی ہے :-

(۱) ہمارے جیون کا ایک پرسدّھ چہنہ (نشان) یہ ہے - کہ ہم ورتمان کال میں جینے سے ہی سنتشٹ نہیں ہوتے - ہم آگے اور پیچھے دیکھتے ہیں - حیوانوں میں بھی آگے پیچھے دیکھنے کی شکتی ہے - لیکن اِس پہلو میں انسان ان سے بہت بڑھا ہوا

کُتّا حیوانوں میں ایک اعلیٰ درجہ کی سمجھ کا حیوان ہے۔ لیکن اس کا حافظہ بہت دُور پیچھے نہیں جاتا۔ نہ اُسے دُور کی بھوشت کی فکر ہوتی ہے۔ اِنسان سالوں کے گُذر جانے کے بعد بھی معمولی باتوں اور واقعات کو یاد رکھتے ہیں۔ اور آگے کی طرف بھی اتنا دیکھتے ہیں کہ نوجوانی شروع ہونے سے پہلے ہی بڑھاپے کی ضروریات کا فکر کرنے لگتے ہیں۔ انسانوں اور قوموں کی حالت میں تہذیب کا ایک بڑا معیار یہ ہے۔ کہ انسانوں اور قوموں کی نگاہ آگے پیچھے کتنی دُور جاتی ہے۔ تہذیب یافتہ قومیں ہزاروں سال گُذرے واقعات کا مطالعہ کرتی ہیں۔ اور اُن سے فائدہ اُٹھاتی ہیں اِتہاس کا مطالعہ اُن کے جیون کا ایک ضروری اور بڑا جُزو ہوتا ہے۔ لیکن وحشی لوگ نہ تو اپنا کوئی اِتہاس رکھتے ہیں۔ نہ عام دنیا کی اِتہاس کی واقفیت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی فرق آنے والے زمانہ کے متعلق ہے۔ گری ہوئی قومیں اگر بھوشت کی طرف دیکھتی ہیں۔ تو وہ بہت نزدیک کا بھوشت ہوتا ہے۔ پرنتو تہذیب یافتہ جاتیاں اُن واقعات کا خیال کرتی ہیں۔ جو سینکڑوں ہزاروں سال بعد ظہور میں آئیں گے۔ اور اُن کے مطابق اپنا رویہ ورتمان میں کرتی ہیں۔ دِلی میں جب ہندوستان کے پرانے حاکم سُنتے تھے۔ کہ مغربی سرحد پر کوئی ودیشی حملہ آور آن پہنچا ہے۔ تو سمجھتے تھے۔ ابھی خطرہ نہیں۔ راستہ میں لاہور ہے۔ دشمن لاہور پہنچ جاتا تھا۔ تب بھی وہ یہی خیال کرتے تھے۔ کہ ابھی دِلّی اور لاہور کا فاصلہ کافی ہے۔ ان کی طاقت کے اظہار کا وقت جبھی آتا تھا۔ جبکہ دشمن دِلّی کی فصیل

کے قریب آن پُہنچتا تھا۔ اب ہندوستان کا راجیہ ایک تہذیب یافتہ جاتی کے ہاتھ میں ہے۔ راج شکتی اتنی بڑی ہے۔ کہ کسی لڑائی جھگڑے کا خطرہ نہیں۔ لیکن پھر بھی سرکار دُور درشی ہونے کی وجہ سے سرحد پر ہر وقت مُلک کے بچاؤ کا کافی انتظام رکھتی ہے +

(۲) کسی معمولی آدمی کو لے لو۔ وہ ہمیشہ کے لئے جینا چاہتا ہے ہر ایک شخص سنتان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اگر اس کی سنتان جو اُس کے جسم کا ٹکڑہ ہے قائم رہتی ہے۔ تو وہ خُود قائم رہتا ہے گو اس کا شریر قائم نہیں رہتا۔ لوگ مکان کنوئیں سرائے بنواتے ہیں۔ اپنی یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ اسی جذبہ کا اظہار ہم میں سے شاید ہر ایک کرتا ہے۔ جب وہ کسی مشہور مقام پر جاکر اپنا نام لکھتا ہے + یہ شکتی جو انسانوں میں آگے پیچھے دیکھنے کی ہے۔ اور موت کے بعد میں زندہ رہنے کی زبردست چیشٹا جو سب میں پائی جاتی ہے۔ کیا یہ ہمارے سوال پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں؟ ایوولیوشن کے ماننے والے کہتے ہیں۔ کہ زندگی اپنے آپ کو بیرونی حالات کے مطابق کرنے کا نام ہے۔ انسان کی مانسک زندگی اور بیرونی دُنیا میں ایک گہرا تعلق ہے اور ان دونوں کی نشوونما ایک دوسرے کے سمبندھ میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی جذبہ انسان کی مانسک زندگی میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ تو اس کے مقابل میں بیرونی دُنیا میں ایک امر واقعہ موجود ہے۔ انسانی آتما میں آگے پیچھے دیکھنے کی شکتی اور جیتا رہنے کی خواہش ہے۔ یہ ایک اشارہ ہے۔ کہ آتما کی زندگی موجودہ جیون کے شروع ہونے سے پہلے تھی۔ اور اس کے ختم ہونے کے پیچھے قائم رہیگی۔ آتما کی زندگی

عارضی نہیں - بلکہ یہ نت پدارتھ ہے - نہ اس کا آدی ہُوا ہے نہ انت ہوگا۔
۳ - (۱) ہماری اخلاقی زندگی بھی آتما کے انادی اور اننت ہونیکی ایک دلیل ہے - ہماری اخلاقی زندگی ایک ایسی مضبوط چٹان ہے۔ جس پر آتما کے نت ہونے کا سدھانت کھڑا ہوکر اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جاسکتا - اگر ہماری اخلاقی زندگی وہم یا مایا سے بڑھ کر کچھ حیثیت رکھتی ہے - اگر اس میں کچھ اصلیت ہے - تو اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے - کہ آتما نتیہ ہے - اخلاقی جیون اور آتما کا غیر فانی ہونا دونوں سدھانت اکٹھے ہی قائم رہتے ہیں - اور اکٹھے ہی گرتے ہیں - پشچمی نوین فلسفہ میں اس دلیل کے ساتھ پشچمی فلسفہ کے سرتاج جرمنی کے مشہور تت ویتا **کانٹ** کا نام وابستہ ہے - کانٹ کہتا ہے - کہ اخلاقی آدرش اخلاقی جیون کا مکھیہ جنہ ہے - جس جیون میں اخلاقی آدرش نہیں - وہ اخلاقی جیون کہلانے کے یوگیہ نہیں - منش کے سامنے جو اخلاقی آدرش ہے - اور جس کی پورتی کے لئے وہ یتن کرتا ہے - وہ اتنا اونچا اور اتنا مہان ہے - کہ منش ایک زندگی میں اُسے پہنچ نہیں سکتا - یونان کے تت ویتا ارسطو کا قول ہے - کہ انسان کو اپنی آدرش کی سدّھی کے لئے کافی عمر ملنی چاہئے - کانٹ کے نکتہ خیال سے یہ عمر کتنی ہی لمبی ہو - ایک جنم میں کافی لمبی نہیں ہوسکتی - اس کام کی تکمیل کے لئے بہت سے کال کی آوشکتا ہے اگر اخلاقی آدرش ایک ایسی موہوم چیز نہیں - جس کا درشن یا جس کا خیال محض ہمیں دھوکھا دینے کیلئے ہے - بلکہ وہ واستو میں ایک ایسی چیز ہے - جس کا کام دھوکا دینے کی جگہ ہمیں اُٹھانا ہے - تو انسان

کو کافی فرصت ملنی چاہئے - کہ اس آدرش کو اپنے جیون میں گھٹا سکے
اور اپنے جیون کو اس آدرش کے انوکول کر لے - چونکہ یہ جیون
ناکافی ہے - اس لئے ضروری ہے - کہ ہماری آتما اس جسم کے ٹوٹ
چھوٹ جانے کے پیچھے بھی اپنی ہستی جاری رکھے - اور اس سفر میں جسے
اس منش جنم میں طے کرنا آرمبھ ہی کیا ہے - اور منزلیں طے کرے +

(۲) اگر ہم ذرا غور سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا - کہ موجودہ
جیون کتنا ناکافی ہے +

(ا) بہت سے انسان پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں - سو میں سے
پچیس کے قریب پہلے سال میں اور اور پچیس عمر کے پہلے چھ سات
سالوں میں موت کے منہ میں جا پڑتے ہیں - اس طرح منشوں کے
ایک بڑے حصہ کو یہاں اپنا اخلاقی جیون جس میں انھیں اپنی
ذمہ واری کا بودھ ہو - آرمبھ کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا - کیا ہم
یہ سمجھ لیں - کہ یہ دراصل انسان ہی نہ تھے ؟ انسان میں مکھیہ چیز
اس کے جسم کی بناوٹ نہیں - پرنتو وہ چیز جو اسے پشوؤں کا
راجہ بناتی ہے - جو چھوٹے سے چھوٹے منش کو بڑے سے بڑے
پشو سے بہت ہی اونچی سطح پر کھڑا کرتی ہے - اس کی اخلاقی زندگی
ہے - ایسی زندگی کا اِن لوگوں کے موجودہ جنم میں ابھاو ہے - جو چیز
انسان کا وشیش گن ہے - وہ اُن میں پائی نہیں جاتی - انھیں اپنے
پورے قد تک پہنچنے کے لئے - پورا منش بننے کے لئے موقعہ نہیں
ملتا +

(ب) جو لوگ بال اوستھا میں ہی مرتیو کا شکار نہیں ہو جاتے - انہیں

سے بھی ایک بڑی تعداد ایسی ہے۔ جنھیں اخلاقی اُنّتی کے لئے کافی موقعہ نہیں ملتا۔ دُنیا جس میں ہم رہتے ہیں۔ پھُولوں کی سیج نہیں۔ جس راہ پر ہم سب چلتے ہیں۔ اس پر کانٹے بکھرے ہیں۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے ہی ہمیں جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ بھوک پیاس اور سردی گرمی وغیرہ سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور محض اچّھیا کرنے سے وہ ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوسکتا۔ تو اخلاقی اُونتی کا سوال شائد آسان ہوتا۔ لیکن موجودہ حالات میں پیٹ کے دھندے انسانوں کا کافی وقت لیتے ہیں۔ اور لاکھوں کروڑوں کی حالت میں ان کی جائز یا ناجائز ضروریات اتنی ہیں۔ کہ انھیں اخلاقی جیون کے اُنّت کرنے کے لئے سمہ نہیں ملتا۔ جو مزدور دن چڑھے سے دن ڈھلے تک ٹوکری اُٹھاتا ہے۔ اور اس محنت سے اپنا اور اپنے پریوار کا پیٹ بھرتا ہے۔ اور سندھیا ہوتے ہی چارپائی پر یا زمین پر ایسا گرتا ہے۔ کہ صبح سے پہلے کروٹ نہیں لیتا۔ وہ آتمک اُنّتی کے لئے وقت کہاں سے نکال سکتا ہے؟ جس شخص کو اپنے گُذارہ کے لئے بوٹوں کی مرمت اور روغن کرنے میں دن بھر گذارنا پڑتا ہے۔ وہ آتمک اُنتی کے متعلق وچار بھی نہیں کرسکتا۔ ان لوگوں کو جیون کی کشمکش نے اتنی دماغی نشوونما کی اجازت ہی نہیں دی۔ کہ وہ اخلاقی آدرش کی سوُروپ اور اس کی سِدّھی کے سادھنوں پر سوچ سکیں۔ جن لوگوں کو ہم سِکھشت کہتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں۔ جن کا بہت سا سمہ دفتروں میں ہندسوں کی جمع تفریق میں گذر جاتا ہے۔ ایسی حالتوں میں انسان کی

اوچ شکتیاں ظہور کا موقعہ ہی نہیں پاتیں۔ اِنسان پورا انسان نہیں بن سکتا۔ بلکہ محض پٹھوں یا دماغ میں تبدیل ہو جاتا ہے +

(ج) جن لوگوں میں آتمک اُنّتی کی قابلیّت ہے۔ اور اس یوگیتا کے ساتھ انھیں فرصت بھی ہے۔ وہ بھی اکثر اپنے آپ کو ایسے لوگوں سے گھرا پاتے ہیں۔ جن کی گری ہوئی حالت اُنھیں مجبور کرتی ہے۔ کہ اپنی آتمک اُنّتی کے خیال کو ترک کر کے اپنے ہمسایوں کی شاریرک مانسک اور ساماجک رکھشا کریں۔ بعض اوقات ایک اچھے ڈاکٹر کو اپنی ویدک وِدّیا کی برِدھی کرنے کی جگہ فقط اِتنے کام پر ہی سنتُشٹ رہنا پڑتا ہے۔ کہ کمزور اور بیمار لوگوں کو پانی لا کر پلاتا رہے۔ ایک وِدوان پُرش کو اپنی مانسک اُنّتی کی جگہ اسی بات پر سنتُشٹ رہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ ایک گاؤں میں جا کر بچّوں کو دیوناگری سکھاتا رہے۔ بعض اوقات ایک شخص ساری عمر وحشیوں کے درمیان دھرم پرچار کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جو نشپھل جاتی ہے۔ ان حالتوں میں تیاگ کا بھاؤ اُسکے مَن میں پرویش کرتا ہے۔ پرنتو یہ تبدیلی آتمک جیون کے ایک انگ کی اُنّتی ہے۔ آتما کی ساری شکتیوں کی وہ مجموعی Harmonious ترقی نہیں جو اخلاقی جیون کا آدرش ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جن لوگوں میں آتمک اُنّتی کی قابلیّت ہوتی ہے۔ اور انھیں ایسی اُنّتی کے لئے موقعہ بھی ملتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس موقعہ کو قربان کر دیتے ہیں۔ تاکہ اُن کے بھولے بھٹکے بھائی اوِدیا اور پاپ کے گڑھے کی تہ تک نہ پہنچ جاویں۔ اس قربانی کا نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے

کہ اپنی آتمک اُنّتی کے لئے یہ لوگ اس موجودہ جیون کو ناکافی پاتے ہیں +

(د) بعض پُرشوں کے مُتعلّق ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ اُنھیں آتمک اُنّتی کا موقعہ ملا ہے۔ اور اُنھوں نے اس موقعہ کا پُورا پُورا استعمال کر کے اپنے آپ کو اونّت کیا ہے۔ ہم اُن لوگوں کے جیون کو اپنے لئے آدرش جیون سمجھتے ہیں۔ انھیں مہاپُرش۔ آپت پُرش آدمی ناموں سے پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے اپنے جیون کو سُپھل کیا ہے۔ خود ایسے لوگوں سے پُوچھو۔ تو معلوم ہوگا کہ جو کچھ اُنھوں نے اِس جیون میں کیا ہے۔ اس سے وہ سنتُشٹ نہیں ہیں۔ جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے۔ وہ نہ کئے ہوئے کام کے مقابلہ میں اُنھیں بالکُل ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ ہم ان لوگوں کو مہاپُرش بھگت کہتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو پاپی اور ملین کہتے ہیں۔ کیا اس کا کارن یہ ہے۔ کہ وہ ہمیں اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں؟ ہمیں جھُوٹ اور دھوکے سے اصلیّت کو دیکھنے نہیں دیتے؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ بات یہ ہے۔ کہ ہم اخلاقی آدرش کا ایک حصّہ دیکھتے ہیں۔ وہ دوسرا پہلو۔ ان کی نظر زیادہ تیز ہے۔ جو ہمارا آدرش ہے۔ وہ ان کے جیون میں موجود ہے۔ ہم اس لئے اُن کے جیون کو آدرش جیون کہتے ہیں۔ لیکن اُن کا آدرش اُن کے جیون سے بہت آگے ہے۔ ان کے آدرش اور جیون کا فاصلہ بہت بڑا ہے۔ یہ اس لئے نہیں۔ کہ ان کا جیون نچلے درجہ کا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کا آدرش بہت اونچا ہے وہ شخص مبارک ہے۔ جو اپنی اخلاقی حالت سے اسنتُشٹ ہے۔ کیونکہ

اُس کا آدرش اس کے پاؤں کے تلے نہیں۔ جو شخص پہاڑ کی چوٹی پر پُہنچنے کے لئے حرکت نہیں کر رہا ہے۔ اُسے چوٹی نزدیک دکھلائی دیتی ہے۔ اور راستہ صاف اور سیدھا پرتیت ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص چوٹی تک پُہنچنے کے لئے پہاڑوں میں چلتا ہے۔ وہ محسُوس کرتا ہے۔ کہ راستہ کتنا ناہموار۔ ٹیڑھا۔ کٹھن اور لمبا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ کتنا کام کرنا باقی ہے۔ یہی حالت اخلاقی جیون میں اونتی کی ہے۔ جُوں جُوں انسان ترقی کرتا ہے۔ اُس کا آدرش بلند ہوتا جاتا ہے۔ بچّے کے اُفق کی طرح اس کے پاؤں تلے نہیں آتا۔ بلکہ پیچھے ہٹتا جاتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ انتم اودیش کی پُورتی کے لئے موجودہ زندگی کو سب سے زیادہ ناکافی وہی لوگ انوبھو کرتے ہیں۔ جو اس کی پورتی کے لئے دن رات یتن کر رہے ہیں۔ جنھیں ہم بھگت اور مہا پُرش کہتے ہیں +

(۲) ہم نے مختلف پہلوؤں سے دیکھا ہے۔ کہ اخلاقی آدرش کو جیون میں گھٹانے اور انتم اودیش کی پورتی کے لئے موجودہ زندگی ناکافی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی وچار کے یوگیہ ہے۔ کہ جو کچھ تھوڑا۔ بہت اس زندگی میں کیا جاتا ہے۔ آتما کے انِت ہونے کی حالت میں اُس کا پرنام کیا ہوگا؟ اگر موت بالکُل ہمارا خاتمہ کر دیتی ہے۔ تو جو کوشش ہم نے سالوں تک اپنے آپ کو اونت کرنیکی کی ہے۔ وہ بھی موت کے وقت ضائع ہو جاتی ہے۔ قدرت کا مطالعہ تو ہمیں یہ سکھاتا ہے۔ کہ کوئی کام اپنا پھل دیئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہاں ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ ساری عمر کی کوشش کا پرنام

کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کشٹ سہن کرتا ہے۔ راتیں جاگتا ہے۔ دوسروں کے طعنے سہتا ہے۔ اس ساری تپسیا اور اخلاقی دلیری اور یتن کا پھل اُسے نہیں ملتا۔ لڑکے بعض اوقات مٹی کے مکان بناتے ہیں۔ اور بناتے ہی توڑ دیتے ہیں۔ ہندو ہزاروں روپیہ خرچ کر کے دسہرہ کے دنوں میں کاغذ اور بارود کی لنکا بناتے ہیں۔ اور بنا کر جلا دیتے ہیں۔ ایسا ہی کھیل ہماری زندگی کا کھیل ہوگا۔ ایک عمارت پچاس ساٹھ سال کی محنت سے کھڑی کی جاتی ہے۔ اور جونہی وہ تیار ہوتی ہے۔ ایک ٹھوکر اُسے ایسی لگائی جاتی ہے۔ کہ ساری بناوٹ خاک میں ملجاتی ہے نہیں نہیں خاک میں ملنے کے لئے بھی نہیں رہتی۔ ہماری زندگی ایک ایسے دیوانہ کے کام کی طرح ہوگی۔ جو سالوں کام کر کے ایک شیشہ کا کارخانہ تیار کرتا ہے۔ اور تیار کر کے توڑ پھوڑ دیتا ہے۔ فرق اتنا ہوگا۔ کہ ہماری اخلاقی عمارت کو توڑنے کا فعل ہم سے سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ کوئی اور طاقت ہمارے اعتراض کے باوجود ہمارے کام کو ملیا میٹ کر دیتی ہے آتما کو انت ماننے کا یہ قدرتی نتیجہ ہے۔ کیا یہ انسان کے ساتھ ظلم نہیں؟ انسان بھی برہمانڈ کا ایک جزو ہے۔ اور سرواُتم انگ ہے۔ کیا برہمانڈ اپنے سرواُتم انگ کے ساتھ ایسا بیرحمانہ سلوک کر سکتا ہے؟ اگر انسان کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے۔ تو ہمیں مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ برہمانڈ مرکز سے محیط تک ایک سرے سے دوسرے سرے تک عقل اور انصاف سے خالی ہے۔ انسانی زندگی ایک بےمعنی ہنگ بن جاتی ہے۔ جس کا کوئی مقصد نہیں برہمانڈ ایک مخول بن جاتا ہے۔ جس میں سنجیدگی کا کوئی جزو نہیں۔

میں برہمانڈ کے سوروپ کے متعلق ایسا خیال نہیں کر سکتا - اور انسانی فطرت بڑے زور کے ساتھ اس خیال کو غلط قرار دیتی اور ردّ کرتی ہے +

اخلاقی دلیل کہتی ہے - کہ اخلاقی آدرش ایک وہم نہیں - جو ہماری کلپنا کرنے کی شکتی دل بہلانے کے واسطے تیار کرتی ہے - انسان فرضی باتوں پر زندہ نہیں رہ سکتا - اخلاقی جیون کی ہستی کے لئے اخلاقی آدرش کا ست ہونا ضروری ہے - اور یہ بھی ضروری ہے - کہ انسان اس آدرش تک پہنچ سکے - یا کم از کم اس کے نزدیک پہنچتا جائے - موجودہ زندگی مختلف کارنوں سے ایسے مہان کام کے لئے ناکافی ہے - اس لئے ہمیں زیادہ وقت کی ضرورت ہے - اور ہمارا آتمک جیون موت کے بعد قائم رہتا ہے - اس کے علاوہ آتما کو انت مان کر ہمیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے - کہ جو اخلاقی عمارت منش اس جنم میں کھڑی کرتا ہے - موت اس کا ناش کر دیتی ہے - انسان کے ساتھ برہمانڈ ظلم کرتا ہے - برہمانڈ اپنی اصلیّت میں عقل اور انصاف سے خالی ہے - یہ بھی انسانی ضمیر ماننے کے لئے تیار نہیں - اس بحث کا نتیجہ یہ ہے - کہ اخلاق اور آتما کا انت ہونا دونوں سدھانت ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں - اور ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا +

۴ (۱) جو لوگ آستک ہیں - وہ تو آتما کے انت ہونے سے انکار ہی نہیں کر سکتے - آستک لوگوں کا بشواس ہے - کہ یہ برہمانڈ اندھیر نگری نہیں جس میں محض گڑبڑ کا راجیہ ہو - بلکہ ایک ادھشٹاتا کے آدھین

کام کرتا ہے - وہ ادھشٹاتا نیائے کاری ہے - مادّی دُنیا میں کوئی کارن اپنا کاریہ پیدا کئے بغیر رہ نہیں سکتا - یہ بُنیادی اصُول ہے - جس پر تمام سائنس کی عمارت کھڑی ہے - اخلاقی دُنیا میں ہر ایک کرم کا پھل کرنے والے کو بھوگنا پڑتا ہے - ہماری ضمیر یہ گواہی دیتی ہے - کہ پُن اور پاپ کی سزا و جزا اوشیہ ملنی چاہئے - لیکن اس زندگی میں ہم کیا دیکھتے ہیں؟ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے - کہ ظالم ظلم کر کے بھی آنند میں جیون وتیت کرتا ہے - چور اور ڈاکو سزا نہیں پاتے بلکہ بھلے پُرشوں کی چھاتی پر سوار رہتے ہیں - نیک آدمی کئی پرکار کی تکلیفیں سہتے ہیں - پاپ کئی بار پھلتا پھُولتا دکھائی دیتا ہے اور پُن نیچا دیکھتا ہے - ناستک کہہ دیتا ہے - کہ اس انتظام یا بے انتظامی میں کوئی اَشچرج کی بات نہیں - کیونکہ دُنیا میں ایک اندھی اچیتن شکتی کا راجیہ ہے - اس شکتی میں اچھے بُرے میں تمیز کرنے کی قابلیت نہیں - وہ سزا کے پتھر ہر طرف پھینکے جاتی ہے - اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتی - کہ وہ کس کو لگتے ہیں - وہ ہر طرف آنند کے پھُول بکھیر رہی ہے - اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتی - کہ کس کے دامن میں یہ جا پڑتے ہیں - لیکن آستک خیال کرتا ہے - کہ دُنیا میں اندھی اور اچیتن شکتی کا راجیہ نہیں - سنسار کی ادھشٹاتری شکتی چیتن ہے - اور نیائے کاری ہے - اگر سزا کا پتھر پھینکتی ہے - تو یہ ان لوگوں کے سروں پر لگتا ہے - جنھوں نے کوئی اپرادھ کیا ہے - اگر خوشیوں کے پھول بکھیرتی ہے - تو یہ ان لوگوں کے دامن میں پڑتے ہیں - جنھوں نے پُن کرم کئے ہیں - اگر اس زندگی میں نہیں پرتیت ہوتا نہ

کہ بعض کاموں کے پھل منششوں کو نہیں ملتے۔ اور پاپی مزے میں اور دھرماتما کشٹ میں رہتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہمارا موجودہ جیون ہمارے سارے جیون کا ایک خفیف ٹکڑہ ہے۔ موت کے ساتھ ہی آتمک جیون کا خاتمہ نہیں ہو جاویگا۔ پرنتو موت کے بعد آتما اپنے اچھے بُرے کرموں کا پھل بھوگیگا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کو ان کی آستکتا مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ آتما کی آنے والی زندگی میں بشواس کریں۔ مسلمانوں کے بہشت و دوزخ کے نقشے کیسے ہی بھدے کیوں نہ ہوں۔ عیسائیوں کے خیال آئندہ زندگی کے متعلق اپنے فروعات کے لحاظ سے کیسے ہی مضحکہ خیز کیوں نہ ہوں۔ اس بات میں تو دونوں کا اتفاق ہے۔ کہ آتما کی زندگی مرتیو کے بعد قائم رہتی ہے۔ اور آتما مر نہیں سکتا۔ یہ نتیجہ آستک بھاؤ کا ہے۔ یہانتک تو ہم اسلام اور عیسائیت کے خیال کو سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ایک ایسے نرالی منطق کی مدد سے جس کی سمجھ مجھے کبھی نہیں آئی۔ عیسائی اور مسلمان یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ آتما کی ہستی موجودہ جنم سے پہلے نہیں تھی۔ وہ آتما کی زندگی کا انجام نہیں مانتے۔ لیکن شروع مانتے ہیں۔ یہ موقعہ نہیں۔ کہ ہم اس بحث میں پڑیں۔ کہ آیا ان لوگوں کے خیال کے مطابق پرماتما نے شروع میں ہی انگنت آتمائیں گھڑ دیں۔ اور اب تک اس ذخیرہ سے نئی نئی روحیں اُٹھا کر اُنھیں جسموں میں داخل کرتا رہا ہے۔ اور آئندہ کرتا رہیگا۔ یا اس کے پاس ایسا کوئی ذخیرہ موجود نہیں۔ ہر وقت نئی روحیں گھڑتا جاتا ہے۔ اور ان کو جسموں

میں داخل کرتا جاتا ہے۔ یا اس نے شروع میں کچھ رُوحیں
بنا دیں۔ اب ماں باپ بیٹوں کا جسم بنانے کے ساتھ ہی رُوحیں
بھی بنا دیتے ہیں۔ یہاں ہم فقط یہ دیکھیں گے۔ کہ جو خیال
عیسائیوں اور مسلمانوں کو آتما کی آنیوالی زندگی ماننے پر مجبور کرتا ہے
کیا وہی خیال ان کو آتما کی گذری ہوئی زندگی ماننے پر مجبور نہیں
کرتا؟ آنے والی زندگی میں بشواس کرنے کے لئے یہی وجہ دی
جاتی ہے۔ کہ پرماتما کا انصاف قائم نہیں رہتا۔ اگر موجودہ زندگی
ہی ہماری ساری زندگی ہو۔ جو کرم کئے جاتے ہیں۔ اُن کا مناسب
پھل ملنا چاہئے۔ چونکہ یہ پھل اس جنم میں سارا نہیں مل جاتا۔
اس لئے آئندہ ملنا چاہئے۔ اگر ہر ایک کرم کے لئے پھل ملنا چاہئے
تو ہر ایک پھل کے لئے بھی ایک کرم ہونا چاہئے۔ اس زندگی میں
ہم کیا دیکھتے ہیں؟ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ کوئی کنگال
ہے۔ کوئی امیر۔ کوئی ودوان ہے کوئی اگیانی۔ کوئی بھلا پُرش
ہے۔ کوئی پاپی۔ کوئی سواستھ میں ہے کوئی جنم سے مرن پرینت
روگی۔ **اس اختلاف کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے۔**
جو منشوں کے موجودہ جنم کے کرموں
کا پھل نہیں۔ ایک شخص ایک کوڑھی یا بدمعاش
کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا ایک دھرماتما اروگی کے گھر میں
یہ فرق ان کی زندگیوں پر اثر ڈالیگا۔ سوال یہ ہے۔ کہ اس اختلاف
کی وجہ کیا ہے؟ ناستک سے ہم یہ سوال نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ تو
کہہ سکتا ہے۔ کہ دُنیا اندھیر نگری ہے۔ جہاں پر راجیہ کرنے والی

اندھی طاقت بُرے بھلے کی تمیز کی پرواہ نہیں کرتی لیکن مسلمان اور عیسائی آستک ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا میں نیائے کاری پرماتما کا راجیہ ہے۔ اگر آج ایک شخص سُکھ میں ہے۔ حالانکہ یہ سُکھ اُسکے کرموں کا پھل نہیں۔ تو یہ ماننے کے لئے کیا وجہ ہے۔ کہ آنیوالی زندگی میں بھی اسے بغیر ضروری کاموں کے سُکھ نہیں مل جاویگا؟ اگر آج ایک شخص دُکھ میں ہے۔ حالانکہ اس نے کوئی قصور نہیں کیا۔ تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ آنیوالی زندگی میں نردوش لوگوں کو ناپرکار کے کلیش ہوں۔ **جو انصاف ہمیں یہ ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ کہ موجودہ کرموں کے پھل سُکھ دُکھ کی شکل میں اوشیہ ہمیں آئیندہ زندگی میں بھوگنے پڑینگے۔ وہی انصاف ہمیں یہ ماننے پر بھی مجبور کرتا ہے کہ موجودہ جیون کے سُکھ دُکھ جن کے لئے ہم نے اس جنم میں کچھ نہیں کیا۔ ہمارے پچھلے کرمونکے پھل ہیں ×**

(۲) یہ اختلاف جو انسانوں کی حالتوں میں پایا جاتا ہے۔ جس میں نیک آدمی تکلیف میں ہے۔ اور پاپی پھلتا پھولتا ہے۔ ہمیشہ سے منشوں کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا ہے۔ اور وہ پوچھتے رہے ہیں۔ کہ یہ اختلاف کیوں موجود ہے؟ کسی نے کہا کہ سُکھ دُکھ کا فرق ہی ایک فرضی بات ہے۔ کسی نے دُکھ اور پاپ کے لئے ایک علیحدہ خدا قائم کیا۔ کسی نے کہا۔ دُکھ اصل میں سُکھ ہی ہے پاپ اصل میں پُن ہی ہے۔ فقط شکل کی تبدیلی ہے۔ ہم اُنہیں

پہچانتے نہیں۔ اسی طرح بہت کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس اختلاف کی سنتوش جنک وجہ آج تک بیان نہیں کی گئی سوائے اس کے کہ آتما پہلے بھی موجود تھا۔ اور آج کے سُکھ دُکھ پچھلے کرموں کا پرنام ہیں۔ اس معاملہ کو اتہاس کی شہادت بھی کچھ صاف کرتی ہے۔ بائیبل میں ذکر ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت مسیح سے ایک جنم کے اندھے کے متعلق لوگوں نے پُوچھا۔ کہ یہ شخص اپنے پاپوں کے سبب سے اندھا ہے۔ یا اپنے ماں باپ کے پاپوں کی وجہ سے۔ مسیح نے کہا۔ نہ اپنے پاپوں کے سبب سے نہ اپنے ماں باپ کے پاپوں کی وجہ سے بلکہ خدا کا جلال ظاہر کرنے کے لئے!! خدا کے جلال کا یہ عجیب اظہار ہے۔ جو برہمانڈ کے نظام اور اس کی بزرگی سے بہتر یقین پیدا کر سکتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ پُنر جنم میں وشواس نہ رکھتے ہوئے مسیح کے لئے ناممکن تھا۔ کہ وہ اس قسم کے دُکھوں کا کوئی معقول بیان دے سکیں۔ اندھے کے اپنے پاپوں کا ذکر نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اندھاپن جنم سے تھا۔ اور حضرت مسیح کے خیال کے مطابق اس کا پہلے جنم ہوا ہی نہیں تھا۔ اُس کے ماں باپ کے پاپ کا ذکر کرتے۔ تو خدا بے انصاف ٹھہرتا ان خیالات میں یہی جواب دے سکتے تھے۔ کہ خدا کے جلال کے لئے یہ سب مصیبتیں ہیں۔ یہ جواب بالکل غیر تسلی بخش ہے۔ لیکن حضرت مسیح مجبور تھے÷

۵۔ کسی اصول کے ستیہ یا استیہ۔ اغلب یا غیر اغلب ہونے کے متعلق ایک وچار یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس اصول کے ماننے یا

نہ ملنے سے منش جیون پر کیا اثر پڑتا ہے۔ دو مخالف خیال ہیں
ایک کے مطابق یہ زندگی ہی ساری زندگی ہے۔ دوسرے کے
انوسار یہ جیون سارے جیون کا ایک چھوٹا سا ٹکڑہ ہے۔ جو شخص
یہ بشواس رکھتے ہیں۔ کہ موجودہ جیون ہی سارا جیون ہے۔ ان
کی قدرتی خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ جتنی خوشی ان چند سالوں میں
بھوگ سکتے ہیں بھوگ لیں۔ کھاؤ پیو اور موج کرو۔ ان کا سدھانت
ہوتا ہے۔ اسی پر وہ عمل کرتے ہیں۔ چارواک آریہ ورت میں اس
خیال کے انویائی ہوئے ہیں۔ ان کا قول ہے۔ کہ دھرم کے متعلق
سارے خیال وہم کی باتیں ہیں۔ جس طرح ہو سکتا ہے۔ قرض مل سکتا
ہے تو قرض لے کر بھی گھی پیؤ +

فارسی میں عمر خیام کی رباعیوں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے۔
عمر خیام لکھتا ہے :-

"بعض لوگ اس دنیا کی بڑائی کی خواہش کرتے ہیں۔ بعض
پیغمبر کے بہشت کی تلاش میں ہیں۔ جو کچھ نقد ملتا ہے لیلو۔
وعدہ کو جانے دو۔ دور کے ڈھول کی آواز کی پرواہ نہ کرو" +

"دوزخ کے ڈراوے ہیں۔ اور بہشت کی اُمیدیں ہیں۔ کم از کم
ایک بات یقینی ہے۔ کہ یہ موجودہ زندگی گذر رہی ہے یہی بات یقینی ہے۔ باقی سب کچھ
جھوٹ ہے۔ جو پھول ایکدفعہ کھلا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے مرجاتا ہے" +

"آؤ پیالہ بھرو۔ اور بہار کی اگنی میں پشچاتاپ کا موسم سرما
کا لباس پھینک دو۔ وقت کے پرندے نے تھوڑا سا وقت تو
اُڑنا ہے اور دیکھو۔ تو اُڑتا ہے

ان لوگوں کا انتم آدرش دُنیاوی لذّتوں کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس سے پرے ان کی نگاہ نہیں جاتی۔ دوسری طرف جو لوگ یہ انوبھو کرتے ہیں۔ کہ آتما ہے۔ وہ خُوشیوں کا حاصل کرنا اپنی جیون کا اددیش نہیں سمجھتے۔ اس سے بڑھ کر بھی ان کی نظروں میں کچھ ہوتا ہے۔ ان کے جیون میں زیادہ سنجیدگی ہوتی ہے۔ وہ موج بہار خیال کے لوگوں کی طرح یہ نہیں سمجھتے۔ کہ یہاں جس کی لاٹھی ہے۔ اُسی کی بھینس ہے۔ زیادہ طاقت ہی کافی اور اکیلا حق ہے۔ ان کے دلوں میں درڑھ نشچہ ہوتا ہے۔ کہ سرشٹی انصاف پر قائم ہے۔ پرماتما کا بجرّ اگرچہ پاپی کو مارنے میں بہت جلدی نہیں کرتا۔ تو بھی اوشیہ اس کے سر پر گرتا ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں نشچہ ہوتا ہے۔ کہ انت میں ست کی ہی جے ہوتی ہے۔ استّ کی نہیں۔" یہ نشچہ ان میں اُلّاس پیدا کرتا ہے۔ وہ دھرم یُدّھ میں حصہ لیتے ہیں۔ اور اُنھیں یقین ہوتا ہے۔ کہ وہ ضرور جیتینگے۔ اگر ان کی یہ زندگی ناکافی ہوئی۔ تو بھی دھرم ضرور جیتیگا۔ اس طرح سے زندگی کے اوتم سے اوتم اُلّاس اس خیال سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ آتما نت ہے۔ جس شخص نے انوبھو کر لیا ہے۔ کہ

"آتما کو نہ شستر کاٹ سکتے ہیں۔ نہ اگنی جلا سکتی ہے۔ نہ پانی بھگو سکتا ہے۔ نہ ہوا خشک کر سکتی ہے۔"

"جس طرح سے آدمی پُرانے اور پھٹے ہوئے کپڑے اُتار کر دوسرے نئے کپڑے دھارن کر لیتا ہے۔ اسی طرح سے جیو آتما

پُرانے شریروں کو تیاگ کرنئے شریروں کو سویکار کرتا ہے" +

"قتل کرنیوالا خیال کرتا ہے۔ کہ وہ قتل کر سکتا ہے۔ قتل کیا جانے والا ڈرتا ہے کہ وہ مارا جائیگا۔ دونوں ہی اگیان میں ہیں کیونکہ آتما نہ مرتا ہے نہ مارتا ہے" +(گیتا)

اُسے کوئی مشکل اپنے فرض کے پورا کرنے سے روک نہیں سکتی۔ ممکن ہے تھوڑے سمہ کے لئے وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ لیکن آخری جیت کے مُتعلق اس کے ہردیہ میں کبھی سنشئے اتپن نہیں ہوتا۔ بُزدلی اور کایرتا اُس سے کوسوں بھاگ جاتی ہے۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ موت کی حقیقت اُسے معلوم ہو جاتی ہے۔ وہ اُپنشد واک کی سچّائی کو سمجھتا ہے۔ کہ آتما کے لئے موت ایسی ہی ہے۔ جیسے ایک پکشی کے لئے ایک ٹہنی سے اڑکر دوسری ٹہنی پر جانا۔ جو لوگ آتما کو غیر فانی نہیں مانتے وہ بھی بعض اوقات تکلیفوں کو برداشت کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اور موت سے بھے نہیں کرتے۔ لیکن اُن کے دلوں میں پردھان جذبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کمزور ہیں۔ موت سے وہ بچ نہیں سکتے۔ اس لئے اس بلوان شترو کے سامنے سر جُھکا دینا ہی اچھا ہے +

ایپک ٹِٹس کہتا ہے" اگر مجھے قید کی دھمکی دی جائے۔ تو میں کہونگا' ہاں میرا جسم بیشک قید کیا جا سکتا ہے'۔ اگر مجھے قتل کی دھمکی دی جائے۔ تو میں کہونگا میں نے تو کبھی اپنے آپ کو غیر فانی نہیں کہا۔ میں زندہ رہنے والا نہیں۔ بلکہ ایک انسان ہوں۔ میں ایک ٹکڑا ہوں۔ جس طرح گھنٹہ دن کا ٹکڑہ ہوتا ہے

گھنٹہ کی طرح میرا آنا ہوا ہے۔ اور اسی طرح مجھے گذر جانا ہے۔ اس میں کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ کہ میں کس طرح گذر جاتا ہوں۔ ڈوب کر یا بخار سے؟ ایک طرح نہ گذرا تو دوسری طرح گذرنا پڑے گا۔"
اس خیال سے کتنا مختلف وہ خیال ہے۔ جو ایک دیانند کو اور حقیقت کو موت سے نربھے بناتا ہے! ایپکٹیٹس مرنے کے لئے تیار ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے۔ کہ وہ موت سے بھاگ نہیں سکتا۔ وہ فانی ہے۔ سوامی دیانند سمجھتے ہیں۔ کہ موت فقط چولہ بدلنے کا نام ہے۔ پرماتما کے چرنوں میں پہنچنے کا سادھن ہے ؎

جس مرنے سے جگ ڈرے میرے من آنند
مرنے تے ہی پایئے پورن پرم آنند

حقیقت رائے نے موت کی حقیقت کو انوبھو کر لیا ہے۔ اور وہ کہہ سکتا ہے ؎

کاٹ سکتے ہو تو باہر کی حقیقت کاٹو
کاٹتی اصل حقیقت کو یہ تلوار نہیں

۶۔ یہ چند وچار ہیں۔ جو سوال کے مختلف پہلوؤں کو لے کر آتما کے نت ہونے کے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔ اس ویاکھیا کو ختم کرنے سے پہلے ایک اور خیال کی طرف بھی سنکھشیپ سے اشارہ کرنا ضروری ہے۔ وہ خیال یہ ہے۔ کہ ہر ایک منش تو غیر فانی نہیں۔ مگر انسانی جماعت سدا قائم رہیگی۔ درخت پیدا ہوتے ہیں۔ اور گر گر سڑ جاتے ہیں۔ لیکن جنگل قائم رہتا ہے۔ اسی طرح

ایک کے بعد دوسری نسل آئیگی۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ تک قائم رہیگا
یہ خیال بھی ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ
(۱) اس بات کا کوئی ثبوت نہیں۔ کہ انسانی جماعت قائم رہیگی۔ اگر موت انسان کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ تو ممکن ہے۔ کہ خاص کارنوں سے، جن کے متعلق، ہم اس وقت تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آیندہ پیدائش کا سلسلہ بند ہو جائے۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی ساری جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ جنگل کا کٹ جانا۔ ناممکن امر نہیں۔ اس وقت انسانوں میں اولاد پیدا کرنے کی خواہش بڑی زبردست ہے۔ پھر پیدا ہوئی ہوئی اولاد کے ساتھ خاص کر اس کی بے بسی کی حالت میں والدین کے دلوں میں بڑی محبّت ہوتی ہے۔ بیرونی دنیا کے حالات ایسے ہیں۔ کہ زندگی قائم رہتی ہے۔ ممکن ہے آنے والے وقت میں اولاد پیدا کرنے کی خواہش اُڑ جائے۔ یا یہ خواہش رہے۔ لیکن اس کے ساتھ پیدا شدہ بچّوں کو کھا جانے کی ایک اور خواہش پیدا ہو جائے۔ یا کم از کم انھیں پالنے کی خواہش نہ رہے۔ اور موجودہ بچّے پیدا کرنے کی خواہش فقط سماگم کی خواہش میں تبدیل ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیرونی دنیا کے حالات جو ہر وقت بدل رہے ہیں اتنے بدل جائیں۔ کہ انسانی زندگی کا قائم رہنا ناممکن ہو جائے۔ اب کئی آسمانی گرہے ایسے ہیں۔ جن پر انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ ممکن ہے۔ کہ انسانوں کو بسانے والے گرّوں کی حالت ویسی ہو جائے +

(ب) یہ انتظام انصاف پر مبنی نہیں - ایک نسل محنت کرتی ہے - پھل آنے والی نسلیں کھائیں گی - ایسی حالت میں کس کو نیک کام کرنے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے؟ آتما کو نتیہ ماننے والے سمجھتے ہیں - کہ اگر وہ اپنی کوششوں سے اِنسانی زندگی کے حالات کو بہتر بناتے ہیں - تو وہ بھی اگلے جنموں میں اس کا سکھ ایک پھل لیں گے - جس خیال کی اب ہم سمالوچنا کر رہے ہیں - وہ ایسا ہی ہے - جیسے ایک انسپکٹر ایک سکول میں امتحان لینے جائے - اور پہلی جماعت کے سوال حل کرنے پر دوسری جماعت کو انعام دیدے - دوسری کی نالائقی کیلئے تیسری کو سزا دیدے - اِیتادی - جو شخص بوتا ہے - اُسے کاٹنے اور پھل کھانے کا موقعہ ملنا چاہئے +

(ج) ہم بیرونی چیزیں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں - لیکن اخلاقی جیون کا آدرش بیرونی چیزوں کا حاصل کرنا یا بنانا نہیں بلکہ اپنے آپ کو بنانا ہے - ممکن ہے دوسرے ہمارے بنائے ہوئے مکانوں کو آن کر سنبھال لیں لیکن جو سب سے قیمتی چیز ہم نے زندگی میں بنائی ہے - وہ ہمارا اپنا کیریکٹر ہے - اور یہ ایسی چیز ہے جو ایک شخص دوسرے شخص کو دے نہیں سکتا - ایک نسل دوسری نسل کو دے نہیں سکتی - یہ ایک بالکل پرائیویٹ - واحد ملکیت کی چیز ہے - جو نہ بیچی جا سکتی ہے - نہ دان دی جا سکتی ہے - اگر موت افراد کا فیصلہ کر دیتی ہے - تو ہر ایک نسل کا بہترین سرمایہ اس نسل کے ساتھ ہی ضائع ہو جاتا ہے +

پانچواں لکچر

دھرم اور ادھرم کا گیان

ا - دھرم اور ادھرم کی تمیز - یہ تمیز کہاں سے سیکھتے ہیں؟ ۲ - پہلا جواب - انسانی ضمیر قطعی فیصلہ دیتی ہے - اس جواب کی سمیکھشا (۱) کئی حالتوں میں ضمیر کچھ جواب نہیں دیتی (۲) ضمیر کوئی ایک جگہ کھڑی ہوئی چیز نہیں بلکہ تبدیل ہونے والی چیز ہے (۳) مختلف لوگوں کی ضمیریں مختلف جواب دیتی ہیں (۴) قوموں کی ضمیر میں تبدیلی ہوتی ہے (۵) ضمیر کوئی الگ شکتی ہی نہیں ۳ دوسرا جواب - آپت پُرش دھرم ادھرم کے متعلق آخری فیصلہ دیتے ہیں (۱) آپت پُرش کے گُن (۲) آپت پُرش بھی نربھرانت نہیں - ان میں اختلاف مِل اور کانٹ (۳) گورو ڈم کی خطرناک بیماری ۴ - شاستر کے رچنے والوں کا فیصلہ (۱) آخری فیصلہ ہے (۲) پراچین رشی بھی نربھرانت نہیں (۲) سوامی دیانند کا کام ۵ - وید ہی دھرم ادھرم کے متعلق آخری فیصلہ دیتے ہیں +

"دھرم ایک چیز ہے اور ادھرم دوسری چیز ہے - انسان انہیں سے ایک یا دوسرے کے وش میں ہیں - وہ شخص بھاگوان ہے جو دھرم کی شرن لیتا ہے - وہ شخص جو ادھرم کی شرن لیتا ہے دُنیاوی خوشیوں کو حاصل کرتا ہے - مگر اصلی مقصد کے حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے" +

"دھرم اور ادھرم (دُنیاوی خوشیاں) دونوں انسان کے پاس آتی ہیں۔ سمجھدار انسان دونوں کو دیکھتا بھالتا ہے۔ اور دونوں میں تمیز کرتا ہے۔ ہاں ایک سمجھدار آدمی دھرم کو دنیاوی خوشیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ لیکن مُورکھ لالچ میں پڑکر خوشیوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے" +
(کٹھ اوپنشد)

۱۔ دھرم اور ادھرم کی تمیز انسانی طبیعت کا ایک خاصہ ہے۔ جب ہم خُود کوئی کام کرتے ہیں۔ یا کسی اور کو کوئی کام کرتا دیکھتے ہیں۔ تو اس کام کے اچھا یا بُرا ہونے کی بابت رائے قائم کرتے ہیں۔ بعض کاموں کو ہم اچھا سمجھتے ہیں۔ بعضوں کو بُرا۔ ہماری رائے صحیح ہو یا غلط یہ ایک علیحدہ سوال ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ اس قسم کی تفریق ہم ضرور کرتے ہیں۔ کوئی انسان ایسا نہیں جو تمام کاموں کو ایک جیسا خیال کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ بعض نوین ویدانتی ہم کو ملتے ہیں۔ جو زبان سے کہتے ہیں۔ کہ اچھے بُرے کی تمیز اگیان کا نتیجہ ہے۔ اور وہ تمام کاموں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اُن کی اپنی زندگی قدم قدم پر اُن کے زبانی دعوے کی تردید کرتی ہے۔ ایسے ویدانتی عموماً نیم ویدانتی ہوتے ہیں۔ اگر اُن کے کام سے کسی کو نقصان پہنچے تب وہ اچھے بُرے کی تمیز کو ایک وہم قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا اُن کو نقصان پہنچائے۔ تو اس فعل کو بُرا کہتے ہیں۔ باقی لوگوں کی چیزیں اپنی تصوّر کرسکتے ہیں۔ لیکن اپنی چیزیں اُن کو مایا کا جال دکھلائی نہیں دیتیں۔ تمام انسان اپنے

عمل سے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ بعض کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں اور بعض کو بُرا۔ اس خیال کے ساتھ ہی ایک اور خیال انسانی فطرت میں پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نیک کام اس یوگیہ ہیں۔ کہ ہم انھیں کریں اور بُرے کام تیاگنے کے لائق ہیں۔ دھرم کی شرن لینا چاہیئے۔ اور ادھرم سے دُور رہنا چاہیئے۔ اگر ادھرم کی شرن لیتے بھی ہیں۔ تو چھپ چھپ کر یا کمزوری کا اقرار کر کے یا دھرم کے بہانہ سے۔ سچّا آدمی کبھی اس بات کی کوشش نہیں کرتا۔ کہ وہ اپنے آپ کو جھوٹھا ظاہر کرے۔ دیانت دار آدمی کبھی اس بات کی کوشش نہیں کرتا۔ کہ وہ اپنے آپ کو فریبی اور دھوکا باز ثابت کر سکے۔ لیکن ادھرم کوشش کرتا ہے۔ کہ وہ دھرم پرتیت ہو +

یہ دونو باتیں علم اخلاق کے فرض کئے ہوئے اصول ہیں:-

اول - یہ کہ دھرم اور ادھرم دو علیحدہ چیزیں ہیں +

دوسرے یہ کہ ہمیں دھرم کی شرن میں آنا چاہیئے۔ اور ادھرم سے دُور بھاگنا۔

جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پہلا خیال اور دوسری خواہش اِنسانی سرشت میں ایسی گڑی ہیں۔ کہ کوئی طاقت اُن کو اُکھیڑ نہیں سکتی۔ تو ہم یہ دعوے نہیں کرتے۔ کہ دھرم اور ادھرم کا مکمل گیان ہر ایک انسان کے سینہ میں موجود ہے۔ ہر ایک شخص اپنے لئے فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ ایسا دعوے بالکل غلط اور بے بُنیاد ہے۔ لیکن جب ہم اس بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ کہ دھرم اور ادھرم دو چیزیں

ہیں - اور دھرم اِس یوگیہ ہے - کہ ہم اس کی شرن میں آئیں - تو
ایک ضروری سوال ہمارے سامنے آتا ہے - اور وہ یہ ہے - کہ
دھرم کا گیان کس طرح حاصل ہو سکتا ہے ؟ کون ہمیں بتا سکتا
ہے - کہ دھرم کا راستہ کون ہے اور ادھرم کس طرف لے جاتا
ہے ؟ تمام مذہبوں کے ماننے والے اس بات میں اتفاق کرتے
ہیں - کہ دھرم ہی سب سے قیمتی سرمایہ ہے - جو ہم اپنے لئے
جمع کرتے ہیں - ہمارے مکان روپیہ دوست رشتہ دار سب
یہیں رہ جاتے ہیں - جیسے ہم اکیلے آئے تھے ویسے ہی اکیلے
جاتے ہیں - اس آخری سفر میں دھرم ہی ہمارا ساتھی ہوتا ہے -
جب دھرم ایک ایسی قیمتی چیز ہے - تو اس کی ماہیت کی بابت
غافل رہنا سب سے بڑی غلطی ہے - جو انسان کر سکتا ہے +

۲ - ہم دھرم اور ادھرم کا گیان کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں ؟
اس سوال کے کئی جواب دیئے جاتے ہیں - ایک گروہ اِنسانی
خیال کرتا ہے - کہ اس گیان کے لئے ہمیں کہیں باہر جانے کی
ضرورت نہیں - بلکہ خود پرماتما ہم میں سے ہر ایک کی آتما
میں بولتے ہیں - پرماتما کی اس آواز کو ضمیر یا کانشنس کے نام
سے پُکارا جاتا ہے - اس گروہ میں دو قسم کے خیالات کے
آدمی ہیں - بعض خیال کرتے ہیں - کہ ہر ایک موقعہ پر جب
ہمیں کوئی شک پڑتا ہے - ہماری ضمیر اس شکیّہ معاملہ میں
فیصلہ دیتی ہے - اور اس فیصلہ میں غلطی کا امکان نہیں دوسرے
خیال کے مطابق ہماری ضمیر ہر ایک کام کے متعلق ہمیں ہدایت

نہیں دیتی - بلکہ فقط زندگی کے عام اصولوں کے متعلق ہدایت دیتی ہے - مثلاً ہماری ضمیر ہمیں بتاتی ہے - کہ ہمیشہ سچ بولنا چاہئے - لیکن یہ بات کہ موجودہ موقعہ پر کون سے الفاظ کا استعمال کرنا سچ بولنا ہے - ضمیر کے احاطہ سے باہر ہے - یہ کام اِنسانی عقل کا ہے - ایک تحصیلدار باہر دورہ میں جاتا ہے - گاؤں کا ایک آدمی اُسے دُودھ اور پھل دیتا ہے - کیا اُن چیزوں کا لینا اُس کے لئے جائز ہے؟ فریق اوّل کے خیال کے مطابق اُس کی ضمیر اُسے بتا دیگی - کہ آیا اُس کا دُودھ اور پھل لینا رشوت لینا ہے - یا ایک اقف کے ہدیہ کو تہذیب سے قبول کرنا - فریق دوم کے خیال کے مطابق کانشنس نے عام فیصلہ دیا ہُوا ہے - کہ رشوت لینا بُرا ہے - اور دوسرے کے ساتھ بھیٹیتا کے ساتھ برتنا اچھا ہے لیکن یہ فیصلہ کہ اس موقعہ پر دُودھ وغیرہ لینا رشوت لینا ہے یا بھیٹتا کا استعمال کرنا - ضمیر کا کام نہیں +

ضمیر کے متعلّق پہلا خیال کہ ہر ایک کام کے متعلق اُس کا فیصلہ قطعی اور درست ہوتا ہے - تجربہ کے بالکُل برخلاف ہے - ہم روز دیکھتے ہیں - کہ ہم کاموں کے اچھا یا بُرا ہونے کے مُتعلّق غلط رائے قائم کرتے ہیں - دوسروں کے مُتعلّق بھی ہمارا تجربہ ایسا ہی ہے جس طرح انسان دوسرے معاملات میں بعض اوقات صحیح رائے قائم کرتے ہیں اور بعض اوقات غلط - ویسا ہی کاموں کے نیک یا بُرا ہونے کے مُتعلّق حال ہے - دوسرا خیال کہ ہماری ضمیر زندگی کے سارے کاموں کے مُتعلّق نہیں - بلکہ کاموں کے مختلف قسموں یا عام اصُولوں کے مُتعلّق قطعی فیصلہ دیتی ہے - زیادہ تسلّی بخش

معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اکثر انسان ایسے اصولوں کے متعلق اتفاق کرتے ہیں۔ مثلاً سچ بولنا۔ چوری نہ کرنا وغیرہ لیکن ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ اس بارہ میں رائے کا اتنا اتفاق نہیں۔ جتنا فرض کیا جاتا ہے۔ اگر ضمیر پرماتما کی آواز ہے تو تجربہ بتاتا ہے۔ کہ یا تو یہ آواز سب انسانوں میں بولتی ہی نہیں یا مختلف انسانوں میں مختلف بولیاں بولتی ہے ✣

اگر ہم ایک انسان کو بھی لیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دھرم ادھرم کے گیان کے متعلق یہ خیال درست نہیں۔ عام آسان حالتوں میں میری ضمیر مجھے ہدایت دیتی ہے۔ اور وہ ہدایت درست ہوتی ہے۔ مثلاً ضمیر مجھے کہتی ہے۔ "چوری نہ کر"۔ نیک آدمیوں کی رکھشا کر"۔ "سچ بول"۔ لیکن بعض اوقات ایسی حالتیں بھی واقع ہوتی ہیں۔ جبکہ سوال اتنا آسان اور سادہ نہیں رہتا۔ بعض اوقات دو یا زیادہ اصول ایک دوسرے سے ٹکر کھاتے ہیں۔ اور اس وقت ضمیر خاموش رہتی ہے۔ فرض کریں میرے دو پڑوسی ہیں۔ ایک پورا دھرماتما اور دیانت دار ہے لیکن غریب ہے۔ پلیگ کی وجہ سے اُس کے کُنبے کے کمانے والے مردم گئے ہیں۔ اور اب اس شخص پر بہت سے معصوموں کے گذارہ کا بوجھ آن پڑا ہے یہ شخص خود بھی بیمار پڑ گیا ہے۔ اور تمام گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں۔ دوسرا پڑوسی بہت مالدار ہے۔ اور چونکہ اُسے بہت سا دھن ورثہ میں ملا ہے۔ اور کمانے کے لئے اُسے کوئی مشقت کرنی نہیں پڑی۔ وہ روپیہ کو ضائع کر رہا ہے۔ اُسکی

زندگی کا روزانہ کام شراب پینا - ناچ کرانا - وبھچار کرنا ہے - اِس
قسم کی زندگی سے وہ اپنے جسم اور آتما کو تباہ کر رہا ہے - اور
ساتھ ہی بُہت سے اور آدمیوں کو بھی پاپ کے گڑھے میں
گِرا رہا ہے - یہ شخص کنوارا ہے اور کوئی آدمی جائز طور پر اُس
پر گُزارہ کے لئے نربھر نہیں رکھتا - خود میری حالت یہ ہے -
کہ بمشکُل گُذارہ ہوتا جاتا ہے - جب میں دیانت دار شخص
اور اُس کے کُنبے کی طرف دیکھتا ہوں - تو میری ضمیر کہتی ہے" ان
لوگوں کی رکھشا کرو"- یہ رکھشا میں نہایت آسانی سے کر سکتا ہوں
گر اپنے دوسرے پڑوسی کے گھر سے چُپکے سے کچھ روپیہ چُرا لوں -
دوسری طرف میری ضمیر کہتی ہے - چوری نہ کر - چوری کرنے
سے بہت سے معصوم بچ سکتے ہیں - خود اِس دولت کے
مالک سے بھی ایک خطرناک ہتھیار جس سے وہ اپنے اور
دوسروں کے جسم اور آتما کا ہنن کر رہا ہے چھینا جا سکتا ہے
لیکن میری ضمیر کہتی ہے -"چوری مت کر"- جب میں ضمیر سے
پُوچھتا ہوں - کہ ایسی حالت میں جبکہ دو فرائض دو مخالف
طرفوں میں مجھے کھینچتے ہیں کیا کروں؟ تو ضمیر اس کا جواب نہیں دیتی
شائد یہ کہا جائے - کہ ایسی حالتیں اِنسانی زندگی میں واقع
نہیں ہوتیں - اور اُن کو فرض کرنا گویا بال کی کھال اُکھیڑنا
ہے - لیکن ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا - کہ ایسی حالتیں
ہر ایک انسان کی زندگی میں پیش آتی ہیں - جبکہ اس کی آتما
کو مختلف فرائض مخالف طرفوں میں کھینچتے ہیں - ایسے وقتوں

میں ہی ہم کو سب سے بڑھ کر ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ٹھیک ایسے وقتوں میں ہی ضمیر ہمیں ہدایت نہیں دیتی۔ ہماری ضمیر کی ہدایت ٹھیک اُس سپاہی کی رکھشا کی طرح ہے۔ جو دِن کے وقت جبکہ ہم عام بازاروں سے گذرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن جُونہی کہ رات پڑتی ہے۔ اور ہم خطرناک اندھیرے جنگل میں داخل ہوتے ہیں۔ ہمارا ساتھ چھوڑ دیتا ہے +

(۲) اگر ان مشکل حالتوں کو نظرانداز کردیں۔ تو معمولی حالتوں میں بھی ایک دِقّت پیش آتی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ آج میں ایک کام کو اُچھّا خیال کرتا ہوں۔ حالانکہ ابھی دو ہفتہ ہوئے یہ کام میری نظروں میں بُرا تھا۔ ہر ایک شخص اپنی زندگی میں دیکھ سکتا ہے۔ کہ کاموں کے نیک و بد ہونے کے مُتعلق رائے بدلتی رہتی ہے۔ یہ تبدیلی خاص کر اُن حالتوں میں زیادہ نمودار ہوتی ہے۔ جبکہ ایک شخص ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں جاتا ہے۔ ناستک اینی بسنٹ ایک خُدا کی پرستش کرنا بھی حماقت سمجھتی تھی۔ جب آستک بنی تو مورتیوں کی شان میں بھی بے ادبی سے بولنا گُناہ خیال کرتی ہے۔ ایک جینی کیڑے مکوڑوں کا مارنا سب سے بڑا پاپ خیال کرتا ہے۔ وہ اسلام قبُول کرتا ہے۔ اس کا نکتہ خیال بدلنے سے اُس کے خیالات میں اتنی تبدیلی آجاتی ہے۔ کہ اب وہ جانوروں کا ذبح کرنا بہشت میں جانے کے لئے ضروری خیال کرتا ہے۔ ایک شخص جب تک

سکھ رہتا ہے - تماکو پینے اور حجامت کرانے سے اِتنی نفرت کرتا ہے - کہ رشوت لینا اور جھوٹ بولنا اُن کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے - اُس کا خیال بدل جاتا ہے - اور وہ سمجھنے لگتا ہے - کہ بال کٹانے یا لمبے بال رکھنے میں نہ کوئی پُن ہے نہ پاپ وہ تمباکو کو ایک نہایت ہی کمزور نشہ سمجھنے لگتا ہے - جو شراب اور بھنگ سے سستا اور کم ضرر رساں ہے - اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہم روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں - جہاں مذہبی تبدیلی نہیں ہوتی وہاں بھی ہم دیکھتے ہیں - کہ ایک شخص مختلف موقعوں پر کسی خاص کام کے لئے ایک ہی رائے قائم نہیں کرتا - اگر ستیہ اور استیہ - دھرم اور ادھرم کا گیان حاصل کرنے کے لئے ہمیں ضمیر کی شرن آنا چاہئے - اور وہی عدالت کافی ہے - تو سوال پیدا ہوتا ہے - کہ ایک اِنسان کی زندگی میں کس وقت کی ضمیر قطعی اور بالکل درست فیصلہ دیتی ہے - کیا وہ فیصلہ ناطق ہے - جو بیس برس کی عمر میں دیا گیا تھا؟ کیا وہ گیان ستیہ گیان ہے جو پچیس برس کی عمر میں ضمیر نے دیا؟ کیا پچاس برس کی عمر کی رائے درست رائے ہے؟ یہ سوالات ہیں جن کا جواب نہیں ملتا - اپنی حالت میں میں دیکھتا ہوں - کہ جب کبھی میری ضمیر زمانہ گذشتہ سے مخالف فیصلہ کسی کام کے متعلق دیتی ہے - تو ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے - کہ اِس وقت ضمیر کا فیصلہ درست ہے - پہلے غلط رہا ہے - پھر اپنے وقت پر موجودہ فیصلہ بھی غلط معلوم ہونے لگتا ہے - بہرحال ہمارے پاس یہ

کہنے کے لئے کوئی وجہ نہیں - کہ فلاں عمر میں ضمیر کا فیصلہ پرماتما کی درست آواز ہے - اور دوسری عمروں میں وہ آواز سُنی نہیں جاتی - بلکہ شیطان خدا کی آواز کی نقل کر کے ہمیں دھوکے میں ڈالتا ہے ہر ایک شخص کا تجربہ اُسے بتاتا ہے - کہ اُس کی ضمیر ایک جگہ کھڑی ہوئی چیز نہیں - بلکہ تمام زندہ چیزوں کی طرح اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے - یہ تبدیلی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ضمیر کا فیصلہ غلطی کے امکان سے بری نہیں - جس چیز میں تبدیلی ہوتی ہے - وہ مُکمّل نہیں ہو سکتی +

(۳) اگر اب ہم ایک شخص کی ضمیر کا دُوسرے شخص کی ضمیر کے ساتھ مُقابلہ کریں - تو ہمارا خیال اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اگر ضمیر کی آواز پرماتما کی آواز ہوتی - تو پرماتما کے ایک ہونے سے وہ آواز تمام منشوں میں ایک ہی ہوتی - لیکن ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے - کہ امر واقعہ ایسا نہیں ہے - ایک آستک سے پُوچھو - تو اس کی ضمیر کہتی ہے - کہ اخلاق کو دھرم سے جُدا کرنا اخلاق کی جڑھ کو کاٹ دینا ہے - ایک ناستک سے پُوچھو تو اُس کی ضمیر کہیگی - کہ پرماتما کا خیال وحشی زمانہ کی یادگار ہے - خود ضمیر کی ہستی اُس کے سوروپ اور اُس کے حقوق کے متعلّق ہی کتنے اختلافات ہیں؟ جیسا میں نے پہلے کہا ہے - ایک سکھ کی ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ حجامت بنوالے - دوسرے آدمی کی ضمیر اس سوال کو سوچنے کے قابل بھی تسلیم نہیں کرتی - ایک جینی کی ضمیر اُسے

کاٹتی ہے - اگر اُس کے پاؤں تلے ایک چیونٹی مرجاتی ہے - ایک پٹھان اپنے لئے جنّت کا دروازہ کھلا دیکھتا ہے - جب وہ عید کے دن ایک انگریز یا ہندو کو مار دیتا ہے - مختلف مذہب اور ہر ایک مذہب کے مختلف فرقے اِس بات کو ظاہر کرتے ہیں - کہ جس طاقت کو ضمیر کہا جاتا ہے - وہ تمام انسانوں میں ایک پرماتما کی آواز نہیں - سُنّی - شیعہ - وہابی - کیتھولک - پروٹسٹنٹ - برہمو - دیوسماجی - سناتنی - آریہ - تت خالصہ اِن سب کی ضمیریں ایک جگہ اکٹھی ہوں - تو اُن کی آوازیں جس قسم کا راگ الاپینگی اُس کا اندازہ ہر ایک شخص لگاسکتا ہے +

(۴) ابھی میں نے ذکر کیا ہے - کہ ایک شخص کی حالت میں ضمیر ایک جگہ پر کھڑی ہوئی چیز نہیں - بلکہ وہ ترقی یا تنزّل کرتی ہے - یہ تبدیلی قوموں کی حالت میں زیادہ نمایاں ہے - جن لوگوں نے قوموں کے اخلاق کی تواریخ کو سرسری نگاہ سے بھی دیکھا ہے - وہ اس تغیّر و تبدل کو اچھی طرح جانتے ہیں - جو قومیں آج ایک سے زیادہ بیویاں بیاہنے کو نہایت ہی مکروہ رسم خیال کرتی ہیں - وہ کبھی اسے جائز سمجھتی تھیں - بعض قومیں جو اب ایک بیوی کے لئے زیادہ خاوندوں کے خیال سے بھی کانپتی ہیں - کبھی اس قسم کی شادی کو جائز قرار دیتی تھیں - آج امریکہ والوں کی ضمیر غلامی کی اجازت نہیں دیتی - مگر بہت عرصہ نہیں گذرا جبکہ امریکہ میں خون کی ندیاں بہائی گئیں - کیونکہ امریکہ کی بعض ریاستیں غلامی کو جائز بلکہ مفید اور ضروری قرار دیتی تھیں -

اور دوسری ریاستیں اس رسم کو تمام انسانیت کے برخلاف سمجھتی تھیں - شاید کہا جائے - کہ اُس حالت میں جو لوگ غلامی کے حق میں لڑتے تھے - وہ ضمیر کی آواز نہیں سُنتے تھے بلکہ اپنی خودغرضی کے وش میں آکر اُس پرماتما کی آواز کو دباتے تھے - ممکن ہے یہ لوگ خودغرض ہوں - لیکن کیا کوئی شخص ہوش و حواس میں یہی الزام سقراط افلاطون اور ارسطو جیسے مہاتما فلاسفروں پر لگا سکتا ہے؟ یہ سب غلامی کو ضروری خیال کرتے تھے - اس لئے نہیں - کہ اس رسم کے جاری رہنے سے انہیں کوئی ذاتی فائدہ تھا بلکہ اس لئے کہ ان کی ضمیر غلامی کے بغیر کسی اچھی سوسائٹی کا خاکہ ہی نہیں کھینچ سکتی تھی - آج یونان کی ضمیر ترقی کر گئی ہے غلامی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے مجھے خیال آتا ہے - کہ خود مسیح جسے عیسائی خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا کہتے ہیں - غلامی کے برخلاف (حالانکہ یہ اُس کے وقت میں رائج تھی) کچھ نہیں کہا - اس میں اُس کا زیادہ دوش نہیں - جس زمانہ کی آب و ہوا میں اس نے نشوونما پائی تھی - جس کی کانشنس اُس کی کانشنس تھی - وہ غلامی کے برخلاف نہ تھی - عورت کی پوزیشن کے متعلق بھی تواریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حیرت انگیز تبدیلی قوموں کی رائے میں واقع ہوئی ہے - یہ ایک وجہ ہے جس سے ہم ضمیر کے متعلق یہ یقین نہیں کر سکتے - کہ وہ پرماتما کی آواز ہے - یہ آواز مختلف قوموں میں ایک نہیں ہوتی - نہ ہی ایک قوم کی حالت میں مختلف زمانوں میں ایک رہی ہے ✣

(۵) ابھی بُہت عرصہ نہیں گذرا - آتم گیان پر وچار کرنے والے مانتے تھے - کہ آتما کی بِھن بِھن شکتیاں ہیں - جو ایک دوسرے کے بغیر رہ سکتی ہیں - اور جن کا ایک دوسرے پر نربھر نہیں - اس خیال کے مطابق انسانی آتما کو ایک ایسے ملک کی طرح خیال کیا جاتا تھا - جو چھوٹے چھوٹے علاقوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے اور جس میں کئی علاقے ایک دوسرے سے آزاد ہوتے ہیں اب جبکہ آتم گیان کے متعلّق ہماری واقفیّت اچھّی ہوگئی ہے ہم جانتے ہیں - کہ آتما کے متعلّق یہ خیال غلط ہے - ساری آتمک زندگی ایک ہی آتما کے مختلف ظہور ہیں - یہ آتما کی شکتیاں ایک دوسرے پر نربھر رکھتی ہیں - اور جہاں ایک موجود ہوتی ہے - وہاں دوسری شکتیاں بھی موجود ہوتی ہیں - ضمیر کوئی الگ شکتی نہیں - جو ستیہ اور دھرم ادھرم کے متعلّق ہمیں گیان دیتی ہے - گیان دینے والا اور لینے والا ایک آتما ہی ہے - انسانی آتما مختلف قسم کی رائیں قائم کرتی ہے - بعض چیزوں کی لمبائی چوڑائی وغیرہ کے متعلّق بعد اُن کے تعلّقات کے متعلّق - ایک خاص قسم کی رائیں کاموں کے نیک و بد ہونے کے متعلّق ہوتی ہیں - ان رائیوں کا مجموعہ اخلاقی خیالات ہوتے ہیں - جب آتما اس قسم کی رائیں قائم کرتی ہے - تو اسے ضمیر کا نام دیا جاتا ہے - ضمیر نہ کوئی الگ وستو ہے - نہ کوئی خاص شکتی جس کا آتما کی دوسری شکتیوں سے کوئی تعلّق نہ ہو + آتما کے گیان کے متعلّق ہم کیا دیکھتے ہیں ؟ سب سے پرسدّھ

نشان اس گیان کا یہ ہے۔ کہ یہ ایک جگہ قائم نہیں رہتا۔ بلکہ بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ میرا آج کا گیان کل کے گیان سے مختلف ہے کئی نئی آوازیں مَیں نے سُنی ہیں۔ کئی شکلیں دیکھی ہیں۔ کئی خیالات کتابوں میں پڑھے ہیں۔ دوسری طرف میرے کل کے گیان کا ایک حصہ آج موجود نہیں۔ کئی خیال بُھول گئے ہیں۔ میرا گیان ایک حد تک میری اپنی کوشش کا نتیجہ ہے۔ لیکن ایک بڑا حصّہ مجھے دوسروں سے ملا ہے۔ مَیں نے اُستادوں دوستوں رشتہ داروں مصنّفوں سے حاصل کیا ہے۔ کچھ حصّہ بغیر کسی خاص یتن کے مجھے حاصل ہو گیا ہے۔ مثلاً سیر کو جاتے ہوئے میں نے اتفاقاً برف کا ٹکڑا پانی کی سطح پر تیرتے دیکھا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا ہے۔ کہ پانی جم کر ہلکا ہو جاتا ہے۔ کاموں کے نیک و بد ہونے کے متعلّق جو گیان ہے۔ اُس کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا ایک حصہ میری اپنی سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔ لیکن ایک بڑا حصّہ مجھے اور لوگوں سے اُن کی تحریر اور تقریر کے ذریعہ ملتا ہے۔ جس طرح ایک پودا ایک بڑی حد تک اس زمین اور آب و ہوا پر نربھر رکھتا ہے۔ جس میں وہ نشو و نما پاتا ہے۔ اسی طرح ایک آتما اپنی اخلاقی رائوں کے لئے ایک خاص حد تک ان حالات پر نربھر رکھتی ہے۔ جس میں وہ نشو و نما پاتی ہے۔ اکثر حالتوں میں آتمک گیان کا یہ حصّہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ عام قول کے مطابق ضمیر یا کانشنس پبلک آواز ہے۔ جو ہم اپنی آتماؤں میں سُنتے ہیں ؞

اس تمام بحث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ دھرم اور ادھرم کے متعلّق انسانی ضمیر کا فیصلہ قطعی نہیں۔ ہم ضمیر سے ہدایت پاتے ہیں لیکن اس کے فیصلہ کو آخری اور مُبرّا از خطا مان لینا غلطی ہے۔ ہر ایک انسان کی ضمیر کو دھرم ادھرم کے گیان کا منبع قرار دینا دھرم کو خیال کرنا کی گردان بنا دینا ہے۔ دھرم کیا ہے؟ میں خیال کرتا ہوں۔ ہم خیال کرتے ہیں۔ تو خیال کرتا ہے۔ تم خیال کرتے ہو۔ وہ خیال کرتا ہے۔ وے خیال کرتے ہیں۔ یہ خیال ایک جگیاسو کو شانتی نہیں دے سکتا +

۳ - زندگی کے دوسرے حصّوں میں جب ہم خود کسی بات کو نہیں جانتے تو اپنے سے بہتر انسانوں سے اِس کے متعلّق دریافت کرتے ہیں۔ اسی طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ دھرم ادھرم کے گیان کیلئے جہاں ہماری اپنی ضمیر ہمیں درُست ہدایت نہ دے۔ ہم اپنے سے بڑوں کے پاس جا سکتے ہیں۔ جن کی رائے اس معاملہ میں ماننے کے قابل ہے۔ یہ جواب ایک حد تک درست ہے۔ اور شاستر کا سِدھانت بھی یہی ہے۔ کہ جہاں آدمی کا پاؤں ڈگمگانے لگے۔ وہاں اُسے دیکھنا چاہیے۔ کہ اس سے زیادہ نیک اِنسان کس طرح برتتے ہیں۔ اور کیا کہتے ہیں۔ ایسے اِنسان آپت پرش کہلاتے ہیں +

(۲) آپت پُرش میں منجملہ اور خوبیوں کے یہ تین اوصاف ضرور ہونے چاہئیں:-

اوّل اُسے خود دھرم ادھرم کا گیان ہو۔ جس مضمون کے متعلّق

ہم اس سے رائے پُوچھتے ہیں۔ اُس کے متعلّق رائے دینے کی اس میں قابلیت ہونی چاہئے۔ اگر مجھے ایک ریاضی کے مسئلہ کے متعلق کوئی شک پیدا ہوتا ہے۔ تو میں اپنے خانگی وید کے پاس بھاگا ہُوا نہیں جاتا۔ اگر گھر میں بیماری ہے۔ تو میں ایسے شخص سے مشورہ نہیں کرتا۔ جو علم معدنیات میں کمال حاصل کئے ہوئے ہے۔ اگر مجھے دھرم ادھرم کے متعلّق پوچھنا ہے تو ایک سمجھدار انسان کی طرح مجھے ان لوگوں کی شرن لینا چاہئے۔ جنھوں نے دھرم ادھرم کے متعلّق سوچنے میں عمر کا ایک حصّہ صرف کیا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے عیسائیوں کی ایک کتاب پڑھی جس میں اُنھوں نے عیسائی مذہب کی سچّائی کے متعلّق رائیں اکٹھی کی ہوئی تھیں۔ شرُوع شروع میں ہی نپولین کی رائے دی ہوئی تھی۔ مجھے بے اختیار ہنسی آئی۔ نپولین فن جنگ میں شاید بے نظیر انسان ہو گذرا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ وہ آتما اور پرماتما کی ماہیّت۔ پرلوک کے رازوں اور دیگر ایسے مضمونوں پر بھی جس کے متعلّق سوچنے کی اس کی خونخوار طبیعت کو کبھی فرصت ہی نہیں ہوئی۔ دعوے سے کچھ کہہ سکتا ہے +

دوسری صفت جو ایک آپت پُرش میں ہونی چاہئیے۔ وہ سدا چار ہے۔ جس شخص کا آچار اچھّا نہیں۔ جس کا جیون دھرم کا جیون نہیں۔ وہ اَوروں کے لئے ہدایت کا چشمہ نہیں بن سکتا۔ جو شخص خود وشیوں کا غلام ہے۔ اگر اُسے دھرم کا گیان ہو بھی

تو بھی وہ ستیہ استیہ کو صاف صاف کہنے کی جُرأت نہیں کہہ سکتا۔ پھر ا لی
یہ ممکن ہے۔ کہ وہ اپنے دُراچار کی وجہ سے دوسروں کو بھی پاپ
اور اگیان کے گڑھے میں لے ڈوبے۔ دنیا کی تواریخ ایسی کئی
مثالیں پیش کرتی ہے۔ جبکہ چالاک اور عیّار سمجھ والے انسانوں
نے اپنے دُراچار کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کی دھارمک اور
اخلاقی زندگی کو برباد کر دیا۔

تیسری صفت جو آپت پُرش میں ہونی ضروری ہے۔ وہ
نرپکشتا ہے۔ ممکن ہے ایک شخص بات کو سمجھنے کی طاقت رکھتا ہو
یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس کے دل میں لوگوں کو دھوکا دینے کی خواہش موجود
نہ ہو۔ لیکن باوجود اس کے یہ ہو سکتا ہے۔ کہ خود وہ پکشپات کی وجہ سے
دھوکے میں ہو۔ اُسے چیزوں کا سوروپ ہی غلط دِکھلائی دیتا ہو۔
چیلوں کو اس پکشپات کی وجہ سے جو اُن کی آتما میں ہے۔
معمولی معمولی باتیں گورو کے معجزے دِکھلائی دیتے ہیں۔ کچھ
دن ہوئے میں نے ایک مسلمان پیر کی کراماتوں کے بیان میں
پڑھا۔ کہ ایک لڑکا جس نے امتحان انٹرینس میں پرچے اچھے
نہیں کئے تھے۔ پیر جی کی دُعا سے امتحان میں کامیاب ہو گیا۔
پیر جی کا ایک رشتہ دار دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں محرر
مقرر کیا گیا۔ ایسی باتیں روز واقع ہوتی ہیں۔ ایک نرپکش آدمی
اُنھیں ان کے اصلی سورُوپ میں دیکھتا ہے۔ لیکن جو شخص
پہلے سے ہی خاص خیال دل میں جمائے بیٹھا ہے۔ اُسے یہ
واقعات غیر معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ یرقان کا مریض ہر ایک

چیز کو پیلا دیکھتا ہے۔ پکشپات مانسک یرقان ہے۔ جس کی وجہ سے اِنسان چیزوں کو اپنی اصلی حالت میں نہیں دیکھتا۔

(۲) جو آپت پُرش خود دھرم ادھرم کے وشے پر وچار کر سکتا ہو جو سدا چاری ہو۔ جو پکشپات سے رہت ہو۔ وہ ہمیں ہدایت دے سکتا ہے۔ لیکن کسی ایسے شخص کی رائے کو ہم غلطی سے مُبرّا تسلیم نہیں کر سکتے۔ اغلب یہ ہے۔ کہ اس کی رائے درست ہے۔ لیکن ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اس کی رائے میں غلطی کا امکان ہے۔ اس کی ضمیر ہماری ضمیر سے زیادہ روشن ہے۔ لیکن اتنی روشن نہیں۔ جس میں اندھکار کا لیش بھی نہ ہو۔ وہ بھی انسان ہے۔ جو کمزوریاں ہم اپنی ضمیر میں دیکھتے ہیں۔ وہ کمزوریاں (گو کم مقدار میں) اُس کی آتما میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے۔ بلکہ اغلب ہے۔ کہ وہ اپنی کمزوریوں کو زیادہ محسُوس کرتا ہے۔ بہ نسبت اُن لوگوں کے جو اُس کے پیرو ہیں یا اس سے دھرم ادھرم کے متعلق ہدایت لیتے ہیں۔ اُسے بھی ہماری طرح بعض اوقات دِقت پیش آتی ہے۔ مشکل حالتوں میں اُس کی ضمیر بھی جواب نہیں دیتی۔ اُس کی رائیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ اُس کی ضمیر بھی اس کے حالات سے متاثر ہوتی ہے۔ وہ بھی دوسرے آپت پُرشوں سے اختلاف رکھتا ہے۔ بعض اوقات یہ اختلاف بہت ہی سپشٹ اور اہم ہوتے ہیں۔ اس امر کو میں ایک مثال سے واضح کرونگا۔ ہر ایک کام ایک غرض کو مدِ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اور اس سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ہر ایک شخص جس نے علم اخلاق کے متعلق

کچھ پڑھا ہے جانتا ہے - کہ مدّتوں سے یہ امر زیر بحث رہا ہے - کہ کسی کام کا اچھا یا بُرا ہونا اُس کے نتائج پر انحصار رکھتا ہے - یا کرنے والے کی نیّت پر - دو فریق ہیں - ان میں سے ایک کام کے نتائج کی طرف دیکھتا ہے - اور دوسرا کرنیوالے کی نیّت کی طرف - مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص دریا میں ڈوب رہا ہے - ایک اَور شخص اُسے دریا سے نکالتا ہے - اس نکالنے والے کی مختلف غرضیں ہوسکتی ہیں - ممکن ہے - وہ جذبۂ انسانیّت سے متاثر ہو کر ایک انسان کو نکالتا ہے - یہ ممکن ہے کہ وہ اس کے کپڑے اُتارنے کی غرض سے اُسے نکالتا ہے - ممکن ہے ڈوبنے والا اس کا دشمن ہو - اور اُسے دریا سے نکالنے کی غرض یہ ہو - کہ اُسے قسم قسم کے عذاب دے کر مارا جائے - اب سوال پیدا ہوتا ہے - کہ جب وہ شخص دریا سے نکالا جاتا ہے - تو نکالنے والے کا کام ہر حالت میں ایک سا ہی اچھا ہے - یا اس رائے کو قائم کرتے وقت ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے - کہ وہ کس غرض سے یہ کام کرتا ہے انگلستان کا مشہور فلاسفر مِل کہتا ہے - کہ یہ کام ہر حال میں ایک سا ہی نیک ہے - ہمیں کام سے غرض ہے - نہ کہ کام کرنے والے یا اس کی غرض سے - جرمنی کا مشہور فلاسفر کانٹ کہتا ہے - کہ کام کے اچھا یا بُرا قرار دینے میں ہمیں نتائج کا بالکل خیال نہیں کرنا چاہیئے - فقط کام کرنے والے کی غرض کو دیکھنا چاہیئے یہ ایک اصولی فرق ہے - جو دو آپت پُرشوں کی رائے میں پایا جاتا

ہے

(۳) اِس طرح ہم دیکھتے ہیں - کہ دھرم اور ادھرم کے متعلّق کسی آپت پُرش کی رائے بھی آخری رائے نہیں - جسے ہر حالت میں قابلِ تسلیم کہہ سکتے ہیں - ان باتوں کے علاوہ ایک اَور وجہ بھی ہے جس کے لئے ہمیں محتاط رہنا چاہئے - کہ کسی شخص کی رائے کو آخری رائے ہونے کا درجہ نہ دیا جائے - دھارمک زندگی میں خطرناک بیماریوں میں ایک گورو ڈم کی بیماری ہے - جہاں ایک شخص کی وقعت اِتنی بڑھ جاتی ہے - کہ اس کی رائے کو مُبرّا از خطا مان کر لوگ اُس کے پیچھے بھیڑ بکری کی طرح لگ پڑتے ہیں - وہاں اصل دھارمک آزادی تو کافور ہو جاتی ہے - لیکن بیرونی اڈمبر اُس کی جگہ لے لیتے ہیں - مذہبی زندگی کا انتم اُودیش یہ ہے - کہ ہم پرماتما سے اچھّا رشتہ جوڑیں - ایسا شخص جس کی رائے کو ہم آخری قرار دیتے ہیں - ہمارے اور پرماتما کے درمیان کھڑا ہوتا ہے - اور بعض اوقات بجائے اس کے کہ ہمیں پرماتما کے درشن کرائے - اس پوتّر جیوتی کو ہماری آنکھوں سے اوجھل رکھتا ہے - ایسا شخص اکثر نئے مذہب کی بُنیاد رکھتا ہے - جس میں اُس کی اپنی شخصیّت کو بہت اعلیٰ درجہ دیا جاتا ہے - اس کی عزّت اس کی پیروی اُس کی پرستش لوگوں کے جیون کا ایک جُزو بن جاتی ہے - بلکہ کئی حالتوں میں تو اُنکے دھارمک جیون کا سب سے پرسدھ چنہ ہوتی ہے - عیسائی مذہب کیا ہے؟ ایک ایسا مذہب ہے - جس میں سب سے بڑا خیال عیسےٰ کی شخصیّت ہے - عیسےٰ کے ذریعہ نجات ملتی ہے - عیسےٰ خاص طرح پیدا ہوا - موت کے بعد جی اُٹھا - خدا کا

اکلوتا بیٹا ہے۔ اِن باتوں کا ماننا عیسائی مذہب کا جُزو اعظم ہے
بُدّھ مذہب کیا ہے؟ بُدّھ کا مذہب ہے۔ جس میں پرماتما کی جگہ
بُدّھ کو دیگئی ہے۔ مسلمان محمّد صاحب کو خدا یا خدا کا حصّہ نہیں مانتے
لیکن پھر بھی اُن کی شخصیّت اسلام سے خارج نہیں ہو سکتی۔ محمد صاحب
کی شفاعت نجات کا ضروری ذریعہ مان لی جاتی ہے۔ اِس طرح
ظاہر ہے۔ کہ جہاں ایک آپت پُرش کی رائے غلطی سے مُبرّا خیال
کی جاتی ہے۔ وہاں کیول پرماتما کا پوجن نہیں رہتا۔ بلکہ آپت پُرشوں
کا پوجن پرماتما پوجن کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ یا اُس کی جگہ
لے لیتا ہے۔ یہ ایک ایسا پردہ ہے۔ جو اُپاسک اور پرماتما کے درمیان
حائل نہیں ہونا چاہیئے۔

۴ (۱) کسی شخص کی رائے کو غلطی سے مُبرّا سویکار کرنا غلطی ہے تاہم
دھرم ادھرم کے متعلّق جیسا پہلے کہا گیا ہے۔ ہم آپت پُرشوں سے
بہُت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ جب میں آپت پُرش کا ذکر کرتا ہوں۔
تو میری مُراد فقط اُن آپت پُرشوں سے ہی نہیں۔ جو اس وقت
ہمارے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ جو آپت پُرش اِس وقت
زندہ ہیں۔ اُن کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی۔ اور پھر اُن سے ملنے
کے موقعے زیادہ نہیں ملتے۔ یہ دقت مرے ہوئے آپت پُرشوں
کی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ جس وقت چاہو۔ ان بزرگوں کے
ساتھ اُن کی پُستکوں دوارا بات چیت کرلو۔ منوسمرتی کا گھنٹوں
پاٹھ کرو۔ منوجی نہیں اُکتاتے۔ نہ اُنھیں اَور کوئی کام ہے۔ جس کی
وجہ سے آپ کی ملاقات کو مختصر کریں۔ آپ اُن کے بچنوں پر وچار

کریں - ان کو نہ بھی مانیں - کسی سپرٹ سے ان کا مطالعہ کریں - اُن کے چہرہ پر بل نہیں پڑتا - پراچین آپت پُرش زندہ آپت پُرشوں سے اس بات میں بھی بڑے ہیں - کہ اُنھیں موجودہ زمانہ کے ویر وردھ سے مُطلق کوئی تعلّق نہیں - وہ لحاظ یا ڈر جو اس وقت کے آپت پُرشوں کی زبان کو بھی بند کر سکتا ہے - ان لوگوں کی حالت میں اب بالکُل بے اثر ہے - اس لئے جہاں دھرم ادھرم کا گیان حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے - کہ ہم اپنے وقت کے آپت پُرشوں سے سکھشا گرہن کریں - وہاں اس سے زیادہ ضروری اور مفید بات یہ ہے - کہ ہم پراچین رشیوں کے گرنتھوں کا پاٹھ کریں سوادھیائے کو شاستر آتما کی خوراک بتلاتے ہیں - جس طرح جسم کو قائم رکھنے کے لئے روزانہ خوراک کی ضرورت ہوتی ہے - اسی طرح دھرم ادھرم کا گیان تازہ رکھنے اور آتمک جیون کو ہرا بھرا رکھنے کے لئے روزانہ سوادھیائے کی ہدایت کی گئی ہے ✣

(۲) لیکن رشیوں کا نام عزّت سے یاد کرتے ہوئے اور اُن کی پُستکوں کو شردھا سے وچارتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے - کہ پراچین رشی بھی ہماری طرح اِنسان تھے - گو ہم سے اتنے بہتر تھے - کہ ہم ان کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے بھی یوگیہ نہیں - ان کی رائوں کو نربھرانت ماننا بھی غلطی ہے اور خطرناک ہے - اوّل تو یہ بھی دعوے سے نہیں کہہ سکتے - کہ جو پُستکیں اس وقت کسی خاص رشی کے نام سے مشہور ہیں - وہ درحقیقت اسی حالت

میں رہیں۔ جس حالت میں اُن کو رشی نے چھوڑا تھا۔ مہابھارت میں ملاوٹ نے کتاب کو شاید دوگنے سے زیادہ کر دیا ہے منوجی نے سوتر لکھے تھے۔ وہ دھرم سوتر اب نہیں ملتے۔ جو شلوکوں کی منوسمرتی اس وقت ملتی ہے۔ بعض حالتوں میں اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے مخالف ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیچھے ملاوٹ ہوئی ہے۔ اگر ملاوٹ نہ بھی ہو۔ تو بھی بعض اوقات ایک رشی کسی معمولی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کو اتنے زور سے ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ مثلاً آج ہندوؤں کی خاص ذاتوں کو چھوڑ کر جو اپنے دھار مک بھاووں کے لئے خاص کر پرسدھ نہیں۔ کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کہ پیاز کھانا زنا کاری اور چوری کے برابر پاپ ہے۔ یا کسی درجہ کا بھی پاپ ہے۔ پھر جس طرح ہم کئی معاملوں میں ایکدوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں ویسے ہی پراچین رشی بھی رکھتے ہیں۔ ان اختلافات کو جو شخص دیکھتا ہے۔ اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ آتمک آزادی کا خون کر کے اور عقل کو تالا لگا کر یہ مانتا رہے۔ کہ ساری متضاد باتیں درست ہیں۔ یا یہ کہ وہ سمجھے کہ پراچین رشی بھی سرکھراشت نہیں۔ پراچین رشیوں نے مختلف زمانوں میں اپنی پُستکیں لکھی تھیں۔ اس لئے ہر ایک نے اپنے زمانہ کے لئے قانون لکھے۔ جو قانون ایک زمانہ کے لئے مفید ہوں ضروری نہیں۔ کہ وہ دوسرے زمانہ کے لئے بھی مفید ہوں۔ ایک خاص وقت میں یہ تجویز مفید ہو سکتی ہے۔ کہ ملک کے باشندے ملک میں ہی رہیں۔ یا

دوسروں سے پرہیز کریں۔ دوسرے زمانہ میں اس کے برعکس دوسرے ملکوں میں جانا اور دوسرے لوگوں سے تعلقات بنانا مفید ہو سکتا ہے اس وجہ سے بھی پراچین رشیوں کی کتابوں میں کئی جگہ اختلاف ہے، اگر ہم فیصلہ کر لیں۔ کہ جو کچھ پچھلے وقتوں میں رشیوں نے لکھا ہے وہ تمام کا تمام خواہ وہ اُن کے وقت کے لئے ہی مفید تھا۔ ہمارے واسطے ماننے یوگیہ ہے۔ تو ہم موجودہ سوسائٹی کو اس بیش قیمت آزادی سے محروم کرتے ہیں۔ جو پہلے ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں لوگوں کو حاصل تھی +

(۳) سوامی دیانند جی کے کام سے پہلے ہندو خیال کرتے تھے۔ کہ تمام پراچین کتابیں جو سنسکرت میں ہیں۔ اُن کے دھرم کی کتابیں ہیں۔ اور اُن کا ایک ایک لفظ ماننا اُن کے لئے لازمی ہے۔ سنسکرت لٹریچر کے عظیم تو وہ کا ہر ایک حصہ اُن کی نظروں میں ایک وقعت رکھتا تھا۔ جب عیسائی پادریوں نے اس بات کو دیکھا۔ تو دل میں بڑے خوش ہوئے۔ جو نوجوان اُن کے سکولوں اور کالجوں میں پڑھتے تھے۔ اُن کو شکار بنا لینا ایک آسان کام ہو گیا۔ کسی پوران سے کوئی بیہودہ قصہ یا شلوک پکڑ لیتے۔ اور اُسے ہندوؤں کا دھرم قرار دے کر اس دھرم کی غلطی پر وعظ کرتے۔ ہندو نوجوان جو غلطی سے یہ خیال کئے بیٹھے تھے۔ کہ تمام سنسکرت لٹریچر کو دھرم پستک ماننا ان کا فرض ہے۔ اور اُسکے اکشر اکشر کے لئے وہ ذمہ وار ہیں۔ اس قصہ یا شلوک کی بیہودگی کو محسوس کرتے اور اپنے آپ کو لاجواب پاکر یا تو کھلے طور پر

عیسائی ہو جاتے - یا نانک بن کر ہندوؤں میں ٹکے رہتے سوامی جی کے کام سے پہلے جتنے تعلیمیافتہ ہندو عیسائی ہوئے ان میں سے سو فی صدی نہیں تو کم از کم نوے فی صدی کی حالت میں تبدیلی مذہب کا کارن یہی عظیم غلطی تھی +

سوامی دیانند نے لوگوں کی آنکھیں کھولیں - اور بتایا کہ منشوں کے بنائے ہوئے گرنتھوں کو نربھرانت ماننا اور اُن کے ہر ایک اکھشر کے لئے اپنے آپ کو ذمہ وار ٹھہرانا دھرم کی عمارت کو ریت پر کھڑا کرنا ہے - یہی غلطی تھی جس کی وجہ سے ہندو خود اور غیر بھی ان کے دھرم کو کچا تاگا خیال کرتے تھے - سوامی جی نے بتایا - کہ غلطی سے پاک - کیول سنیہ - ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے تو پرماتما کا اپنا دیا ہوا گیان ہے - جو ویدوں میں دیا گیا ہے - باقی سارا گیان اس گیان سے نکلا ہے - اور جہاں اس گیان سے ٹکر کھاتا ہے گیان کہلانے کے یوگیہ نہیں بلکہ اگیان ہے -

پورانوں سوتروں سمرتیوں وغیرہ کے انبار کے نیچے سے ویدوں کو نکال کر سوامی دیانند نے انہیں اُس اُونچے سنگھاسن پر رکھ دیا - جس پر وہ پراچین آریہ ورت میں براجمان تھے - اور اس تبدیلی سے ہندوؤں کے مذہب میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا - وہ دھرم جسے غیر اور اپنے کچا تاگا کہتے تھے - آج لوہے کی زنجیر معلوم ہوتا ہے - وہ بنیاد جو اس تبدیلی سے پہلے ریت کی بنیاد تھی - آج ایک زبردست چٹان معلوم ہوتی ہے جس پر مخالف لہریں آن کر ٹکراتی ہیں - اور سر پٹک کر مُنہ سے جھاگ

پھینکتی ہوئی ناکام واپس لوٹ جاتی ہیں - کیول وید ہی پرماتما کا گیان ہیں - اور پرماتما کا گیان ہونے کی وجہ سے نربھرانت ہیں - یہی دھرم اور ادھرم کا گیان دیتے ہیں - اِن کا گیان بالکل ستیہ گیان ہے - چونکہ ایسا دعوےٰ قرآن - انجیل اور پورانوں سے متعلق بھی کیا جاتا ہے - اِس لئے اگلے لکچر میں ہم دیکھنے کی کوشش کرینگے - کہ ویدوں کے مقابلہ میں ان باقی کتابوں کا یہ دعوےٰ کتنا بے بُنیاد ہے +

چھٹا لکچر

وید پرماتما کا گیان ہیں

۱- الہام کیا ہے؟ تاریخی واقعات یا فرضی قصوں سے بھری ہوئی کتابیں الہامی نہیں ہوسکتیں۔ ۲- قرآن۔ بائیبل اور پورانوں میں کوئی مفید اور ضروری تعلیم ایسی نہیں جو نئی ہو۔ ۳- الہامی کتاب شروع میں منش ماتر کو ملنی چاہیئے۔ ۴- الہامی کتاب میں متضاد تعلیم نہیں ہونی چاہیئے۔ قرآن۔ انجیل اور پورانوں میں پرسپر وردھ پایا جاتا ہے۔ ۵- ہم کس دیوتا کی پوجا کریں؟ مختلف جواب۔ ۶- سرشٹی اُتپتی۔ ۷- الہامی کتاب کی تعلیم قانون قدرت اور عقل کے خلاف نہیں ہونی چاہیئے۔ ۸- پاپ کا وجود۔ کرموں کا مسئلہ یا شفاعت اور کفارہ؟ ۹ منش جیون کا آدرش۔ بہشت اور ویدِک مکتی کا مقابلہ۔ ۱۰- آریہ شاستر اور وید۔ دیوی بھاگوت سے اقتباس +

پچھلے لکچر میں ہم نے دیکھا ہے۔ کہ دھرم ادھرم کے متعلق آخری اور قطعی فیصلہ کرنے کے لئے نہ تو سادھارن انسانوں کی ضمیر اور نہ آپت پرشوں کی ضمیر ہی کافی ہے۔ رشیوں کے سدھانت بھی غلطی سے مبرا نہیں ہوسکتے۔ غلطی کے امکان سے مبرا فقط ایک پرماتما کی ذات ہے۔ وہ سنشے سے اگیان سے پکشپات سے رہت ہے۔ اس کا گیان ستیہ گیان ہے۔ اگر

دھرم اور ادھرم کے متعلق قطعی اور آخری فیصلہ حاصل کرنا ہو۔ تو پرماتما کے گیان سے اپیل کرنا چاہئیے ؛

وید کے علاوہ انجیل اور قرآن کے متعلق دعوے کیا جاتا ہے کہ یہ الہامی کتابیں ہیں۔ پورانوں کے متعلق بھی کئی ہندو ایسا دعوے کرتے ہیں۔ ہم اس لکچر میں اختصار سے دیکھیں گے۔ کہ ان پستکوں میں سے کون سی پستک ایشوریہ گیان کہلانے کی مستحق ہے ؛

۱۔ جو لوگ کسی الہام میں یقین کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس الہام سے پہلے بعض ضروری باتیں پردہ کے پیچھے تھیں۔ پرماتما نے پردہ اُٹھا دیا۔ اور وہ انسانوں کی نظروں کے سامنے آگئیں جو کچھ چھپا ہوا تھا وہ ظاہر ہو گیا۔ اور اس پرکاش کے لئے پرماتما کے یتن کی ضرورت تھی۔ کیونکہ خود انسانی کوشش سے اس وقت وہ باتیں ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں۔ جب ہم الہام کے اس مفہوم کی طرف خیال کرتے ہیں۔ تو یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن انجیل اور پورانوں کے متعلق الہامی ہونے کا دعوے کس معقولیت سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ ساری کتابیں تاریخی قصوں اور واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ میں یہاں یہ بحث نہیں کرتا۔ کہ ان کے بیان درحقیقت درست واقعات کے بیان ہیں یا فرضی ہیں۔ میں انھیں درست فرض کر لیتا ہوں لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ ہمیں تاریخ کی کتابوں کو الہامی کتابیں کہنے کا کیا حق ہے؟ پورانوں میں ایک راجہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ سب نے دیکھا۔ ہر ایک تاریخ کا لکھنے والا اسے لکھ سکتا ہے۔ اس میں پرماتما نے کونسا

پرکاش کیا؟ جو واقعہ تھا ۔ وہ تو چھپا ہوا تھا ہی نہیں ۔ قرآن میں یوسف ۔ داؤد ۔ بنی اسرائیل یعقوب موسےٰ وغیرہ کے حالات درج ہیں ۔ ان حالات کو اُن لوگوں کے زمانہ کے لوگ دیکھتے تھے اور کئی قلمبند کر سکتے تھے ۔ اگر ان لوگوں کے لکھے ہوئے حالات الہام نہیں ہو سکتے ۔ تو قرآن کا وہ حصّہ جس میں تاریخی حالات درج ہیں الہامی نہیں ہو سکتا +

بائیبل کو مَیں اُٹھاتا ہوں ۔ بغیر کسی خاص خیال کے اُسے کھولتا ہوں ۔ میری نظر کے سامنے یہ عبارت آتی ہے :۔

"ان باتوں کے بعد جب یوسیاہ ہیکل کی مرمت کر چکا ۔ شاہ مصر نیکو چڑھ آیا ۔ کہ کرکمیس پر جو فرات کے کنارے پر ہے لشکر کشی کرے ۔ تب یوسیاہ اُس کا مقابلہ کرنے کو نکلا وغیرہ" ۔ اسی طرح نئے عہد نامہ کے ورق اُلٹاتا ہوں ۔ تو اس میں پہلے ہی یہ الفاظ سامنے آتے ہیں :۔

"تب وے اس پہاڑ سے جو زیتون کا کہلاتا ہے ۔ جو یروشلم سے نزدیک بلکہ فقط ایک سبت کی منزل دور ہے ۔ یروشلم کو پھرے اور جب داخل ہوئے تو ایک بالاخانہ پر گئے" وغیرہ +

بائیبل کو جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں ۔ کہ بائیبل اِس قسم کے بیانات سے بھری ہوئی ہے ۔ یہ حالات سینکڑوں نے دیکھے ہونگے ۔ اور سینکڑوں لکھ سکتے تھے ۔ اگر وہ انھیں لکھنے کے قابل خیال کرتے ۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا ۔ کہ ان حالات کو خاص آدمیوں نے لکھا ۔ اس میں پرماتما نے کیا الہام کیا؟ اِن کا

لکھنا پرماتما کا کام نہیں تھا۔ بلکہ انسانوں کا کام تھا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ اگر پرماتما ان لوگوں کو شکتی نہ دیتا۔ تو وہ لکھ نہ سکتے ہوں تو ہر ایک شخص کو پرماتما ہی شکتی دیتا ہے۔ اور جبھی وہ شخص سارے کام کر سکتا ہے۔ لیکن ان حالات کے لکھنے کے لئے کسی وشیش شکتی کی ضرورت نہ تھی۔ ایسے حالات روز لکھے جاتے ہیں۔ اور دنیا کی تاریخی لائبریری ایسے ہی حالات سے بھری ہوئی ہے بائیبل قرآن اور پورانوں کے بیانات کو خواہ وہ صحیح ہیں یا غلط دوسرے بیانات سے تمیز کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ اگر سارے بیانات خواہ وہ تاریخی ہوں یا فرضی الہام کہلانے کے مستحق نہیں۔ تو ان کتابوں کو بھی کوئی خاص حق حاصل نہیں۔ اگر یہ سارے بیانات صحیح بھی ہوں۔ تو بھی ہم ساری صحیح حکایتوں کو الہامی نہیں کہتے۔ جیسا ئیں نے کہا ہے۔ میں سمجھ نہیں سکتا۔ کہ انہاس (تاریخ) کی پستکوں کے متعلق الہامی ہونے کا دعوے کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ ان کتابوں میں تاریخی بیانات یا روایتوں کے علاوہ تعلیم بھی شامل ہے۔ اور اس تعلیم کے متعلق معقولیت سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ پرماتما کا الہام ہے۔ جیسا پہلے کہا گیا ہے۔ جب ہم پرماتما کے الہام کا ذکر کرتے ہیں۔ تو ہم ایسے اصولوں کے متعلق خیال کرتے ہیں۔ جو پہلے پردہ کے پیچھے تھے۔ انسانوں کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اور پرماتما کے خاص یتن سے پرکاش میں آگئے پورانوں قرآن اور انجیل کے متعلق الہام کا دعوے کرنے والوں کو

بتلانا چاہئے۔ کہ ان کتابوں کی کونسی تعلیم ان کی تصنیف سے پہلے
کسی کو معلوم نہ تھی۔ جس کے پرکاش کے لئے خاص الہام کی ضرورت
محسوس ہوئی۔ پورانوں میں، جو کچھ کام کا ہے۔ وہ پراچین شاستروں
خاص کر برہمنوں اور ویدوں سے لیا گیا ہے۔ بیج وہاں سے لیا جاتا ہے
اور اسے سروسادھارن کو سمجھانے کے لئے سنھول سوروپ دیا جاتا
ہے۔ اس کوشش میں بعض اوقات ایسی بھدّی تصویر تیار کی جاتی
ہے۔ کہ اصل بیج نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور پکشپات
رہت منش کچھ سیکھنے کی جگہ مصوّر سے گھرنا کرنے لگ جاتا ہے÷

قرآن کی تعلیم بہت سی انجیل اور توریت سے لیگئی ہے۔ بڑا
فرق تو یہی ہے۔ کہ جو جگہ انجیل میں حضرت مسیح کو دی گئی ہے۔ وہ
قرآن میں حضرت محمدؐ کو دی گئی ہے۔ جس طرح انجیل میں کہا
گیا ہے۔ کہ مسیح کے بعد کوئی سچّا نبی نہیں آئیگا۔ ویسا ہی قرآن
میں کہا گیا ہے۔ کہ محمدؐ صاحب کے پیچھے کئی جھوٹے نبی ظاہر
ہونگے۔ لیکن اصل میں محمد صاحب آخری نبی ہیں۔ یہ قدرتی
جذبہ ہے۔ ہر ایک شخص کے لئے جو اپنی پوزیشن ہمیشہ تک
اسی حالت میں قائم رکھنا چاہتا ہے۔ ضروری ہے۔ کہ ایسا
دعوے کرے۔ قرآن کی خاص اور زور دار آواز پرماتما کی ایکتا
کے حق میں ہے۔ اور اس پہلو میں قرآن انجیل سے بہت اونچے
درجہ پر ہے۔ لیکن یہ تعلیم بھی نئی تعلیم نہیں۔ جیسا ہم آگے
ظاہر کرینگے۔ وید میں توحید کی تعلیم نہایت صاف طور پر دی گئی
ہے۔ محمدؐ صاحب کے وقت میں عرب کے رہنے والے ویدوں

سے واقف نہ تھے - اس لئے اُن کی توحید کی تعلیم وہاں کے لوگوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی - لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ منش مانتر کی نظروں کے سامنے سے ایک پردہ جو پہلے اُٹھا نہیں تھا اُٹھا دیا گیا - انجیل میں جو تعلیم جیون کو سدھارنے والی ہے - وہ بھی نئی نہیں - عیسائیوں کی دُعا پہلے یہودیوں میں موجود تھی - اور اس میں بہت خفیف لفظی تبدیلی کی گئی - یہاں مفصل بحث کی گنجائش نہیں - جس میں یہ بتایا جا سکے - کہ انجیل کی تعلیم کے بڑے بڑے سدھانت کہاں سے لئے گئے ہیں - مثال کے طور پر ہم عیسائیوں کے سنہری قاعدہ کو لے سکتے ہیں - اس تعلیم پر عیسائی فخر کرتے ہیں - یہ تعلیم فخر کے قابل ہو یا نہ ہو - یہ دوسرا سوال ہے - یہاں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں - کہ کیا اسکے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے - کہ پرماتما نے انسانوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ اُٹھا دیا - اور ایک ایسے اصول کو جو پہلے معلوم نہ تھا - پرکاش میں لے آئے ؟ تاریخ کیا کہتی ہے ؟

کنفیوشس نے مسیح سے پہلے کہا: "دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کرو - جیسا تم چاہتے ہو - کہ دوسرا تمہارے ساتھ کرے - اور دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو - جیسا تم نہیں چاہتے کہ دوسرا تمہارے ساتھ کرے - تمہیں اس قانون کی ضرورت ہے - باقی سارے اسی کے آدھار پر ہیں"۔

ارسطو نے مسیح سے پہلے کہا "ہمیں دوسروں کے ساتھ اسی طرح برتنا چاہئے - جیسا ہم چاہتے ہیں - کہ دوسرے ہمارے

ساتھ برتیں" +
بکٹس نے مسیح سے پہلے کہا" اپنے پڑوسی کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔ جو اگر وہ تمہارے ساتھ کرے۔ تو تمہیں بُرا معلوم ہو" +
سیکسٹس نے مسیح سے پہلے کہا" جیسا تُم چاہتے ہو۔ کہ تمہارے پڑوسی تمہارے ساتھ سلوک کریں۔ ویسا ہی تُم اُن کے ساتھ کرو" +
اَور بھی کئی لوگوں نے قریباً اِنہی الفاظ میں یہ تعلیم دی ہے +
ہمارا دعوےٰ ہے۔ کہ پورانوں میں قرآن میں اور انجیل میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو انسان کی موکھش کے لئے ضروری ہو۔ اور جو بالکل نئی ہو۔ ہم اس کا منبع دریافت کر سکتے ہیں۔ اور آخری چشمہ جس سے ساری سچائیاں نکلی ہیں۔ وید ہیں +
۳۔ اسی سمبندھ میں یہ بھی وچار کرنے کے یوگیہ ہے۔ کہ اگر الہام کی ضرورت ہے۔ تو تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اور الہام ایسے وقت میں ہونا چاہئے۔ کہ سارے اس سے فائدہ اُٹھا سکیں کیا پُوران قرآن اور انجیل سرشٹی کے شروع میں دئیے گئے؟ ایسا دعوےٰ ان کے ماننے والے بھی نہیں کرتے۔ پورانوں کی تصنیف کے زمانہ کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ کہ یہ سرشٹی کے آد سے نہیں ہیں قرآن محمد صاحب سے پہلے کا نہیں۔ اور محمد صاحب کے زمانہ کو ابھی تیرہ سو برس کے قریب ہوئے ہیں۔ انجیل کے مختلف حصے

مختلف وقتوں میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن اُن کی تصنیف کا زمانہ بھی بہت پورانا نہیں ہے۔ ان کتابوں کے ماننے والے اس بات کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ سرشٹی اُتپتی سے اتنا پیچھے الہام دینے میں پرماتما پر کتنا دوش آتا ہے۔ پرماتما کی نظروں میں سارے اِنسان ایک قیمت رکھتے ہیں۔ جن لوگوں کو اِن الہاموں کے نازل ہونے سے پہلے پیدا کیا گیا۔ اُن کے ساتھ بڑی سختی کی گئی۔ اور یہ سختی مسلمانوں اور عیسائیوں کے خیال کے مطابق بے وجہ تھی۔ کیونکہ پُنر جنم سے اِنکار کر کے ہمارے دوست نہیں کہہ سکتے۔ کہ ایسے لوگوں نے کوئی پاپ کیا تھا۔ جس کی سزا میں انھیں اس روشنی سے محروم رکھا گیا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے خیال کے مطابق ہمارا یہ جنم اکیلا جنم ہے۔ جو ہمیں جد وجہد کے لئے ملتا ہے۔ آتما کے غیر فانی ہونے کے متعلّق ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ کہ یہ خیال کیسا فضول ہے۔ یہاں ہم فقط یہ کہیں گے۔ کہ اگر یہ جنم ہی ہمارا اکیلا جنم ہے۔ جس میں ہم نے ہمیشہ کے لئے بہشت یا دوزخ حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا ہے۔ تو جن لوگوں کو ان الہامی کتب کے زمانہ سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے خدا کو اس ناجائز اور سختی کے سلوک کی وجہ سے کبھی معاف نہیں کر سکتے +

وید کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ دُنیا کی لائبریری میں یہ سب سے پورانی کتاب ہے۔ اگر وید کا مقابلہ ان کتابوں کے ساتھ

ہے۔ تو اِتنا تو ظاہر ہے۔ کہ یہ کتابیں اس مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتیں +

۴۔ ہمیں ان کتابوں سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ تم جو اِلہامی ہونے کا دعوے کرتی ہو۔ تم سکھلاتی کیا ہو؟ ان کی اندرونی شہادت بھی ایک حد تک ان کے دعووں کی وقعت کو ظاہر کردیگی۔ جب ہم اس اندرونی شہادت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایک عجیب بات ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کتابوں میں مختلف جگہوں پر متضاد تعلیم دیگئی ہے۔ پُورانوں کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جس شخص نے پُورانوں کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ سارے پورانوں کی تعلیم ایک نہیں۔ بلکہ پرسپر وِرودھ کی اَنگنت مثالیں وہاں ملتی ہیں۔ اول تو سارے پوران اس بات میں ہی اتفاق نہیں کرتے۔ کہ پُوران کتنے ہیں۔ اور کون کون سے ہیں۔ ایک میں ایک دیوتا کی پوجا کو جیون کا آدرش ٹھہرایا ہے۔ تو دوسرے میں اس دیوتا کی پوجا کو نرک کا بھاگی بنانے والا قرار دیا گیا ہے۔ اس کی ایک دلچسپ مثال آگے چل کر ہم پیش کرینگے۔ انجیل میں جو متضاد باتیں درج ہیں۔ ان پر متعدد کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ اور اگر میں ان سب کو یہاں درج کروں۔ تو باقی کچھ کہنے کے لئے وقت ہی نہ رہے۔ نمونہ کے طور پر دو چار باتیں بیان کرونگا +

پیدائش کی کتاب کے پہلے دو بابوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کئی متضاد بیانات ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ

کہ انسان حیوانوں سے پہلے پیدا ہوا - دوسری جگہ لکھا ہے - کہ حیوانوں سے پیچھے پیدا ہوا - نوح کی کشتی میں جو حیوان داخل کئے گئے - ایک جگہ اُن کی تعداد دو دو بیان کی ہے - دوسری جگہ سات سات - سلیمان کے طویلوں کی تعداد ایک جگہ چار ہزار بیان کی ہے - دوسری جگہ چالیس ہزار - معلوم ہوتا ہے گننے میں غلطی نہیں ہوئی - الہام لکھنے والے سے ایک صفر چھوٹ گیا ہے - یا زیادہ درج ہو گیا ہے - ایک جگہ لکھا ہے - اہا ضیہ بائیس برس کا تھا جب تخت پر بیٹھا - دوسری جگہ لکھا ہے بیالیس سال کا تھا +

نئے عہد نامہ میں متضاد بیانات بہت سے ہیں - مثلاً مسیح کی موت کے متعلق ہی دیکھیں - مرقس کے بیان کے مطابق تیسرے گھنٹے مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا - یوحنا کے بیان کے مطابق چھٹے گھنٹے یہودیوں نے کہا - اُسے جانے جا اسے صلیب دے - متی کہتا ہے "جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا - ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا" مرقس اور یوحنا کے بیان کے مطابق مسیح شکر کی شام کو پھانسی پر لٹکایا گیا - اور اتوار کی صبح کو دن چڑھنے سے پہلے قبر سے نکل گیا - میں نے بہتری کوشش کی ہے - کہ سمجھوں کہ یہ عرصہ کس طرح تین رات دن بن جاتا ہے - اگر شکر کی شام کے وقت شکر کا دن شمار کر لیں اور اتوار دن چڑھنے سے پہلے اتوار کا دن بھی شمار کریں - تو بھی راتیں تو دو ہی بنتی ہیں پرماتما کی سوروپ کے متعلق اور عام اخلاقی تعلیم کے متعلق بھی کئی اختلاف ہیں - اگر ایک جگہ یہ کہا گیا ہے - کہ ہر ایک شخص کو اپنے

بھلے اور بُرے کرموں کا پھل ملتا ہے۔ اور اس کے والدین یا لڑکے اس کے عملوں کی سزا جزا نہیں پا سکتے۔ تو دوسری جگہ بالکُل اس کے خلاف تعلیم ہے۔ بلکہ خود پرماتما پہلی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے +

قرآن کی تعلیم ایسے اختلافات سے خالی نہیں۔ اگر ایک جگہ پرماتما حُکم دیتا ہے۔ کہ فقط اسی کی پُوجا کرنا دھرم ہے۔ تو دوسری جگہ اسی تعلیم کے برخلاف شیطان کو آدم کی پرستش کرنے کی آگیا دیتا ہے۔ اگر ایک جگہ پر ماتما کو سب سے بڑا بتایا گیا ہے۔ تو دوسری جگہ اسے دن رات اور ہوا وغیرہ کی قسمیں کھا کر اپنے قول کی صداقت ثابت کرنے کا محتاج ظاہر کیا گیا ہے + ظاہر ہے کہ جن کتابوں میں متضاد تعلیم ہو۔ وہ الہامی ہونے کا دعوے نہیں کر سکتیں۔ ویدوں میں پرسپر وردوھ کا نشان تک نہیں۔ ہاں بعض جگہ سنیاسی کے لئے تعلیم ہے۔ اور بعض جگہ گرہستی کے لئے۔ ان دونوں میں اختلاف ہونا چاہیئے۔ اور اس اختلاف کو بعض لوگ اگیان کی وجہ سے پرسپر وردوھ سمجھ لیتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ویدک تعلیم ایک ہے۔ اور پرسپر وردوھ سے خالی ہے +

۵۔ ہم اس پرسپر وردوھ کی طرف سے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ زندگی کے بڑے بڑے مسائل کے متعلّق یہ کتابیں ہمیں کیا سکھلاتی ہیں۔ دھرم یا مذہب کا مقصد یہ ہے۔ کہ وہ جیو آتما کو پرماتما سے ملا دے۔ جیو آتما کو سچّے سادھن بتائے سیدھے راستہ پر ڈال دے۔ پاپ کے جیون سے آزاد کر کے اُسے پرماتما کا بھگت بنا دے۔ یہ دھرم کا مکھیہ کام ہے۔

ہر ایک دھرم پُستک سے پہلا سوال جو ہم پُوچھ سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے

ہم کس دیوتا کی پوجا کریں ؟

ہم دیکھیں گے۔ کہ اس سوال کا جواب یہ مختلف کتابیں جن کے متعلق الہامی ہونے کا دعوے کیا جاتا ہے۔ کیا دیتی ہیں +

(۱) **پوران** جیسا ہم کہہ چکے ہیں۔ اس سوال کا جواب ایک نہیں دیتے۔ پورانوں میں ایک پرماتما کی پُوجا نہیں بلکہ مختلف دیوی دیوتاؤں کی پُوجا سکھلائی گئی ہے۔ پورانوں کے پرسپر وردھ کا یہ ایک دلچسپ نمونہ ہے۔ کہ ایک پوران ایک دیوتا کو سب سے بڑا اور اکیلا پُوجا کے یوگیہ بیان کرتا ہے۔ تو دوسرا پوران اس کی نندا کرتا ہے۔ اور اُس کے اُپاسکوں کو دشٹ قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم **پدم پوران** اُتر کھنڈ ۲۸۲ ادھیائے کی کتھا کو لیتے ہیں۔ یہ کتھا اَن گنت کتھاؤں کا نمونہ ہے۔ کتھا یوں ہے

"دلیپ نے وسشٹھ سے پوچھا۔ برہما وشنو مہیش تین دیوتاؤں میں کون بڑا ہے ؟"

وسشٹھ نے کہا۔ ایک موقعہ پر رشیوں نے بھرگو کو تیار کیا۔ کہ جا کر اُن دیوتاؤں کے متعلق معلوم کرے۔ کہ اُن میں سے کون بڑا ہے۔ بھرگو کیلاش پربت پر مہادیو کے پاس پُہنچا۔ باہر دروازہ پر نندی (بیل) کھڑا تھا۔ بھرگو نے نندی کو کہا۔ اندر مہادیو جی کو میرے آنے کی اطلاع دو نندی نے کہا۔ جاؤ جاؤ اس وقت مہادیو دیوی کے ساتھ کر بڑا کر رہے ہیں۔ بھرگو نے مہادیو کو کہا۔ تم تاری سنگم میں مست ہو۔ میرا اپمان ہوا ہے۔ میں شاپ دیتا ہوں۔ تم میں تموگن پردھان ہے

تمہاری شکل ہی جلہری اور لنگ کا ملاپ ہوگی - برہمن اور دوسرے دوج تمہاری پوجا نہیں کرینگے - جو کچھ تم پر چڑھایا جائیگا - وہ کھانے پینے کے کام کا نہیں رہیگا - مہادیو کے بھگت ہڈی پہننے والے لنگ اور بھسم کے دھارن کرنے والے وید کے دائرہ سے باہر ہونگے - اور پاکھنڈی ہونگے" ؛

اس کے بعد بھرگو برہما کے لوک میں گیا - نمسکار کی - برہمانے آدر نہیں کیا - بھرگو نے کہا - برہما رجوگنی ہے - اپنے ابھمان میں مست ہے - اُسے شاپ دیا - جس طرح تُو نے میرا اپمان کیا ہے تمہارا ہی نرادر ہوگا" ؛

برہما کا فیصلہ کر کے بھرگو وشنو کے پاس گیا - دیکھا کہ وشنو مہاراج ناگوں کے بچھونے پر سوئے ہوئے ہیں - اور لکشمی ان کے پاؤں جھس رہی ہیں - وشنو کو اس حالت میں دیکھ کر بھرگو کو غصہ آیا اور بائیں ٹانگ سے اُنھیں مارا - وشنو اُٹھے اور بھرگو کے پاؤں پکڑ لئے - اور کہا "میں دھن ہوں - کہ آپ کا پاؤں میرے شریر کو لگا ہے - برہمنوں کے چرنوں کی دھول جو سب کچھ دلانے والی ہے - اور ساری مصیبتوں کا خاتمہ کرنے والی ہے - وہ مجھے پوتر کرے - برہمن کے پاؤں کی دھول جس کے شریر پر سدا نواس کرتی ہے - گنگا آدمی سارے تیرتھ اس کی دیہہ میں رہتے ہیں - اس میں کچھ سندیہہ نہیں" ؛

بھرگو کی سرشت آجکل کے برہمنوں سے بالکل مختلف نہ تھی - اس نے وشنو جی کے الفاظ سُنے اور بولا :-

؏ [illegible] اور بھرم نہیں ؛

"آشیچرج ہے رُوپ - آشیچرج ہے شانتی آشیچرج گیان اور دیا ہے - آشیچرج نرمل کشما ہے - سارے دیوتاؤں میں تجھ میں ہی ستوگن پردھان ہے - تو برہمنوں کا ماننے والا ہے - تو ہی پوجا کے یوگیہ ہے - تیرے بغیر جو کسی اور دیوتا کی پوجا کرتے ہیں - وہ سب پاکھنڈی ہیں - ساری دنیا میں لعنتی ہیں - وید کے جاننے والے برہمنوں کے لئے تو ہی پوجنیہ ہے - برہما اور مہا دیو جو رجوگن اور تموگن سے یُکت ہیں - وہ پوجا کے یوگیہ نہیں"+

پھر گور شیوں کے پاس واپس آیا - اور آکر اُنھیں اپنا فیصلہ سنایا - کہ وشنو ہی برہمنوں کے لئے پوجنیہ ہے - اور کوئی دیوتا نہیں اگیان کی وجہ سے جو کوئی کسی اور دیوتا کی پوجا کریگا - وہ پاکھنڈی ہو جائیگا" رشیوں نے کہا "تُو نے ہمارا اسنشے نوارن کر دیا ہے" +

یہ بزرگی ہے وشنو مہاراج کی جو ایک پُوران بیان کرتا ہے - اور دوسرے دیوتاؤں کے برخلاف لکھتا ہے - اگر دیوی بھاگوت کو دیکھیں تو وہاں ہم دیکھتے ہیں - کہ گوتم ناشکر گذار برہمنوں کو شاپ دیتے ہیں - کہ وہ وشنو کے پُجاری ہو جائیں گے - اور پاکھنڈوں میں مصروف رہیں گے + یہ بڑے بڑے دیوتا اوتار دھارن کر کے بھی منشوں کے درمیان جگت کا اودھار کرنے آتے ہیں - اُن کی فہرست کے متعلق بھی پورانوں میں اختلاف ہے - ان میں کچھوا سُور وغیرہ بھی شامل ہیں - رامچندر جی اور کرشن جی اُن میں سب سے ممتاز ہیں - مگر پورانوں کے لکھنے والوں نے جو تصویر کرشن چندر جی کی کھینچی ہے - وہ اُنھیں پُوجا کے یوگیہ تو الگ رہا - معمولی

عبادت کے یوگیہ بھی نہیں رہنے دیتی - وشنو جی رامچندر جی کا اوتار دھار کر آئے - کیونکہ پورانوں کے مطابق نارد مُنی نے ایک موقعہ پر وشنو کو شاپ دیا تھا - کہ جس طرح تم مجھ سے شری کو جسے میں بیاہنا چاہتا تھا اُڑا لائے ہو - اُسی طرح تم بھی منشوں کے جنم میں جاؤ گے - اور تمہاری استری ہر لی جائیگی +

جب ہم پورانوں سے پوچھتے ہیں - ہم کس دیوتا کی پوجا کریں؟ تو کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا - آؤ یہی سوال بائیبل سے پوچھیں بائیبل کیا جواب دیتی ہے؟

بائیبل کا خدا جسم رکھتا ہے - جس کے انگ انسانی جسم کے انگوں کی طرح ہیں - وہ ایک خاص جگہ میں بند رہتا ہے - جہاں سے دوسری چیزوں کو دیکھنے کے لئے اُسے اِدھر اُدھر جانا ہوتا ہے - خروج (باب ۲۴) میں ذکر ہے - کہ "موسیٰ وغیرہ نے اسرائیل کے خدا کو دیکھا اور اُس کے پاؤں تلے جیسے نیلم کے پتھر کی گچکاری اور اُس کی شفافی جرمِ آسمان کی مانند تھی - اور بنی اسرائیل کے امیروں پر اُس نے اپنا ہاتھ نہ رکھا - اُنھوں نے خدا کو دیکھا اور کھایا اور پیا" - خروج (باب ۳۴) میں موسے خدا سے خدائی جلال دکھلانے کی درخواست کرتا ہے - "خداوند نے کہا - دیکھ یہ جگہ میرے پاس ہے - اور تو اِس چٹان پر کھڑا رہ - اور یُوں ہوگا - کہ جب میرے جلال کا گذر ہوگا - تو میں تجھ کو اس چٹان کے دروازہ میں رکھونگا - اور جب تک نہ گذروں تجھے اپنی ہتھیلی سے ڈھانپونگا - اور پھر اپنی ہتھیلی اُٹھاؤنگا - اور تو میرا پیچھا دیکھیگا - لیکن میرا چہرہ ہرگز دکھائی

نہ دیگا"۔ بہشت میں جب خُدا آدم اور حوّا کو ملنے آتا ہے۔ تو اُنھیں اپنی معمولی جگہ پر نہ دیکھ کر آواز دیتا ہے اور پُوچھتا ہے۔ تم کہاں ہو؟ پیدائش (باب ۱۱) کے مطابق خداوند اُس شہر اور بُرج کو جسے بنی آدم بناتے تھے دیکھنے اُترا +

بائیبل کا خدا اگیان سے خالی نہیں۔ جب زمین آسمان اور اُنکی چیزیں بن گئیں۔ انسان بنائے گئے۔ خدا نے سب کچھ دیکھا۔ اور کہا یہ بہت اچھّا ہے۔ جلدی ہی آپ کو اس اچھّے کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور پیدائش (باب ٦) کے مطابق "خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہُوا"۔ ہر ایک شخص کو بائیبل کے خدا کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہیئے۔ اتنی بڑی سکیم دماغ میں تھی۔ اور وہ سب ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ محض اس لئے کہ اس کے اپنے پیدا کئے ہوئے فرشتوں میں سے ایک اس کے برخلاف اُٹھ کھڑا ہُوا +

بائیبل کا خدا بعض دفعہ اخلاقی لحاظ سے بھی اعلےٰ نمونہ پیش نہیں کرتا۔ وہ قتل وخُون کا حُکم دیتا ہے۔ اور ایسا حُکم دیتے ہوئے ضروری نہیں سمجھتا۔ کہ گُنہگار ہی سزا پاویں۔ وہ غلامی کے برخلاف نہیں۔ سخت طبیعت اِتنا ہے۔ کہ ایک آدم حوّا کے ذرا سے قصور پر تمام منش ماتر کو پاپی بنا دیتا ہے۔ ہم کس دیوتا کی پُوجا کریں؟ بائیبل اس سوال کا جواب سنتوش جنک نہیں دیتی +

قرآن سے یہی سوال پُوچھنا چاہیئے۔ جیسا پہلے کہا جاچکا ہے۔ پرماتما کی ایکتا پر قرآن نے زور دیا ہے۔ لیکن وہ خدا ایک

خاص جگہ **عرش** پر رہتا ہے۔ ہر جگہ موجود نہیں۔ اس عرش کو فرشتے تھامے ہوئے ہیں۔ سورہ اعراف میں کہا ہے "تحقیقاً خدا تمہارا وہ ہے۔ جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین کو چھ روز میں اور بعد ازاں قرار پکڑا اوپر عرش کے"۔ بائیبل کے خدا کی طرح قرآن کا خدا بھی سخت مزاج ہے۔ اور لوٹ مار کی اجازت بھی دیتا ہے۔ اپنے قول کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے قسمیں کھاتا ہے۔ یہ قسمیں کن چیزوں کی ہیں؟ صبح کی رات کی۔ جفت اور طاق کی۔ شہر مکہ کی۔ جننے والی کی۔ اور جنے ہوئے کی۔ آسمان اور زمین کی اور اس کے بنانے والے کی۔ روٹی کے کھانے کے وقت کی۔ انجیر اور زیتون کے درخت کی۔ کوہ طور کی۔ کشادہ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب کی۔ بھرے ہوئے دریا کی وغیرہ وغیرہ +

بائیبل اور قرآن میں پرماتما کا جو سوروپ پیش کیا گیا ہے۔ اسی کو دیکھ کر تو لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے۔ کہ خدا نے انسان کو اپنی شکل پر نہیں بنایا بلکہ انسان نے خدا کو اپنی شکل پر بنایا ہے۔ بائیبل اور قرآن کا خدا ان کے زمانوں کا ایک زبردست انسان ہے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں +

ہم کس دیوتا کی پوجا کریں؟ وید میں یہی سوال پوچھا گیا ہے۔ اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ "ہم کس دیوتا کی پوجا کریں؟ اس پرماتما کی جو سورج تارا منڈل کا بنانے والا ہے۔ جو سدا سے ساری سنسار کا پتی ہے۔ جس نے زمین اور آسمانی کُرّوں کو دھارن کیا ہوا ہے" +

"ہم کس دیوتا کی پوجا کریں؟ اس پرماتما کی جو پران کا دینے والا

اور بل کا دینے والا ہے۔ سارے جس کے شاسن (حکومت) کو مانتے ہیں۔ بڑی بڑی طاقتیں جس کے شاسن کو مانتی ہیں۔ جس کی پناہ میں ہونا امر ہونا ہے۔ موت جس کے ادھین ہے"۔

"ہم کس دیوتا کی پوجا کریں؟ اس پرماتما کی جو اس سانس لیتے ہوئے اور آنکھ جھپکتے ہوئے جگت کا اپنی شکتی سے اکیلا مالک ہے۔ جو سارے منشوں اور پشوؤں کا سوامی ہے"۔

(رگ وید منڈل ۱۰۔ سوکت ۱۲۱)

ویدوں میں پرماتما کی ایکتا پر بھی بہت زور دیا ہے سپشٹ لفظوں میں کہا گیا ہے:۔

"کیرتی۔ یش۔ بل۔ میگھ۔ برہم تیج۔ اَنّ اور بل دینے والی چیزیں سب اس کی ہیں۔ جو اکیلے پرماتما کو جانتا ہے۔ وہ پرماتما دوسرا نہیں۔ تیسرا نہیں۔ چوتھا نہیں کہلاتا۔ نہ پانچواں ہے۔ نہ چھٹا ہے۔ نہ ہی ساتواں کہلاتا ہے۔ نہ آٹھواں ہے۔ نہ نواں ہے نہ ہی دسواں کہلاتا ہے۔ وہ اکیلا پرماتما اس سب کچھ کو دیکھتا ہے جو سانس لیتا ہے۔ اور جو سانس نہیں لیتا (جاندار اور غیر جاندار سرشٹی) وہ شکتی سے بھرا ہوا ہے۔ وہ ایک ہے ایک ہی غیر مرکب ہستی ہے اور ایک ہی ہے"۔

بعض لوگ کہیں گے کہ ویدوں میں تو کئی دیوتاؤں کا ذکر ہے وید ایک پرماتما کی پرستش کس طرح سکھلاتے ہیں؟ یہ اُن کی بھول ہے۔ ویدوں میں مختلف دیوتاؤں کا ذکر نہیں۔ بلکہ ایک پرماتما کا ذکر ہے۔ جسے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے۔ خود

وید بھگوان میں لکھا ہے :-

ایک ہی ہستی کو وِدوان انیک ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اِندر۔ مِتر۔ وَرُن۔ اور اگنی کہتے ہیں۔ اور وہی دویہ سُپرن گرُتمان ہے۔ اُسی اگنی کو یم اور ماتر شوا کہتے ہیں"۔ (رگ وید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴۔ منتر ۴۶) ÷

ویدک سدھانت کے مطابق پرماتما ہر جگہ ویاپک ہیں۔ سنسار کے ذرّہ ذرّہ میں موجود ہیں۔ اور سارے سنسار کو قائم رکھنے والے ہیں۔ وہ دھرم کا چشمہ ہیں۔ اُن میں اگیان یا پاپ کا لیش نہیں ÷ پرماتما کے علاوہ پورانوں کی طرح قرآن اور بائیبل انیک دیوی دیوتاؤں کی ہستی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اُنھیں فرشتے کہتے ہیں پیدائش کے چھٹے باب میں کہا ہے :-

"جب روے زمین پر آدمی بہت ہونے لگے۔ اور ان سے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے خوبصورت ہیں۔ اور ان سبھوں میں سے جنھے جو پسند آئیں بیویاں بنا لیں ..... ان دنوں میں زمین پر جن رہتے تھے۔ اور بعد اس کے بھی کہ خدا کے بیٹے آدمیوں کی بیٹیوں کے پاس گئے۔ تو اُن سے لڑکے پیدا ہوئے۔ یہ وے زبردست تھے۔ جو قدیم سے نامور اشخاص تھے"۔

÷ وید پرماتما کا جو سوروپ بیان کرتے ہیں۔ اس کے متعلق جو بھائی مفصل دیکھنا چاہیں وہ انگریزی میں لالہ گوکل چند ایم۔ اے کا پیغام وید اور ہندی میں پنڈت راجارام جی کا وید ایدیش دیکھیں ÷

یہ خدا کے بیٹے فرشتے تھے - انجیل میں بھوتوں اور چڑیلوں کا ذکر آتا ہے - اور بعض جگہ ان کے لئے سزاؤں کی ہدایت کی گئی ہے قرآن میں فرشتوں کا ذکر ہے - بعض مسلمانوں کا تو خیال ہے - کہ کُل جانداروں کا ۹/۱۰ حصہ فرشتے ہیں - اصل میں آبادی تو ان کی تھی انسان کی پیدائش تو پیچھے پرماتما نے یُوں ہی کر دی - دوزخ کے محافظ فرشتے ہیں - خدا کے تخت کو اُٹھانے والے فرشتے ہیں - ہر ایک شخص کی حفاظت کے لئے چار چار فرشتے مقرر ہیں - قبر میں حساب لینے کے لئے فرشتے مقرر ہیں - موت کے بعد روحوں کا چارج لینے کے لئے فرشتہ ہے - خدا کے پیغام پہنچانے کے لئے فرشتہ ہے + اس بڑے محکمہ کے بغیر پرماتما اپنا کام نہیں کر سکتے - نہ اُنھیں ان کی رپورٹوں کے بغیر انسانوں کے کاموں کے متعلق علم ہوتا ہے +

ہم نے دیکھا ہے - کہ دھرم کا سب سے بڑا کام انسان کو پرماتما سے ملا دینا ہوتا ہے - اس کے لئے ضروری ہے - کہ وہ ہمیں پرماتما کے سوروپ کے متعلق اندھیرے میں نہیں - بلکہ روشنی میں لاوے - ہم کس دیوتا کی پُوجا کریں ؟ یہ سوال ہر ایک دھرم پستک سے پُوچھنا چاہیئے - اور ہم نے سنکھشیپ سے دیکھا ہے - کہ وید کو چھوڑ کر دوسری کتابیں اس کا جواب کیسا غیر تسلی بخش دیتی ہیں +

اس سوال کے علاوہ اور بھی کئی سوال ہیں - جن کے متعلق ہم ہر ایک دھرم پستک سے پوچھتے ہیں - مثلاً اس سنسار کی پہیلی کے متعلق پُوچھتے ہیں - یہ دُنیا کیسے بنی ؟ ہم کہاں سے آئے

ہیں؟ پاپ کہاں سے آیا ہے؟ ہمارے جیون کا اعلےٰ اودیش کیا ہے؟ یہ سوال فلسفہ اور اخلاق سے تعلّق رکھتے ہیں۔ لیکن اِن دونوں کا مذہب کے ساتھ گہرا سمبندھ ہے +

۶۔ سرشٹی اُتپتی کے متعلّق بائیبل اور قرآن کا بیان قریباً ایکسا ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ خدا نے پانچ چھ ہزار سال کا عرصہ گذرا سب کچھ چھ دن میں بنا دیا۔ اور ساتویں دن آرام کیا۔ اور بعد میں زمین سے کہیں دور جا بیٹھا۔ ان بیانات میں اختلاف ہے۔ اور یہ بیانات سائینس کی دریافتوں کے بالکل مخالف ہیں۔ سائنس کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس سرشٹی کو بنے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال ہو گذرے ہیں۔ اور لاکھوں کروڑوں سالوں سے زندگی بھی یہاں پر موجود ہے۔ پھر نوین خیال کے مطابق سارا اُتپتی کا کام چھ دن کے مختصر عرصہ میں ختم نہیں ہوا۔ نہ اس کام کے بعد خدا کو آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ یا فرصت مل گئی۔ نوین سائنس کا خیال قریباً وہی ہے۔ جو آریہ سدھانت ہے۔ یعنی مادّہ انادی ہے۔ زمین اور آسمانی کُرّے بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ کوئی وقت ایسا آتا ہے۔ جب سارے کُرّے اکٹھے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اُسے مہاپرلے کہتے ہیں۔ پھر ایک زمانہ دراز گذرنے کے بعد پیدائش شروع ہوتی ہے۔ اور یہی سلسلہ ہمیشہ سے قائم ہے۔ اور ہمیشہ تک قائم رہیگا۔ جب موجودہ سُورج چاند سیّاروں وغیرہ کی اُتپتی کا ذکر وید میں کیا جاتا ہے۔ تو ساتھ یہ بھی آتا ہے۔ جیسا پہلے

+ اسی واقعہ کی یادگار میں عیسائی سبت کا دن مناتے ہیں یعنی اتوار کو کام نہیں کرتے۔ اُن سے پہلے یہودی بھی ایسا کرتے تھے۔

کلپوں میں ان کو بنایا گیا تھا۔ رسندھیا کا پانچواں منترم +
پرماتمانے سرشٹی کو رچا ہے - پرماتمانے ویدک گیان دیا ہے
یہ دونو آپس میں ٹکر نہیں کھاتے - یہ ایک نقشہ اور جغرافیہ کی طرح
ہیں - جو ایک دماغ کا نتیجہ ہیں - اور جو ایک دوسرے کی
پشٹی کرتے ہیں +

قرآن اور بائیبل کا سہارا بہت کچھ معجزوں پر ہے - جن سے
مُراد قانونِ قدرت کا عمل روک دینا ہوتا ہے - ویدک سدھانت
یہ ہے - کہ پرماتما کے سرشٹی نیم اٹل ہیں - اور کوئی اِنسان انھیں النگھن
نہیں کر سکتا - نہ پرماتما کسی کو ایسی طاقت دیتے ہیں - کہ ان کے
انتظام کو درہم برہم کر سکے - ان کتابوں میں خلاف از عقل واقعات
درج ہیں - انجیل میں لکھا ہے - کہ نوح کی کشتی میں جو تین سو ہاتھ
لمبی - پچاس ہاتھ چوڑی اور تیس ہاتھ اونچی بنائی گئی تھی - دُنیا
کے تمام حیوانوں پرندوں چرندوں کے جوڑوں اور نوح کے
خاندان کو داخل کیا گیا - اور ان سب کے لئے مہینوں کی خوراک
بھی ڈال دیگئی - اس کشتی میں ایک روشندان اور ایک دروازہ
تھا - اور اُن کے ذریعہ ان سب کے لئے کافی ہوا اور روشنی
ملتی تھی - پانی چالیس دن برستا رہا - اور سب سے اُونچے پہاڑ
بھی پانی میں چھپ گئے لے طوفان کے بعد کوّا اور کبوتری باہر
بھیجے گئے - تاکہ دیکھیں - کہ زمین خشک ہوئی یا نہیں - کبوتری

لے اگر اس وقت بھی ہمالیہ موجود تھا - تو بارش قریباً ۶۶۰ انچ روزانہ کے حساب سے برسنی
چاہیئے !! لیکن ممکن ہے - کہ اس زمانہ کا سب سے بڑا پہاڑ ایک معمولی ٹیلہ ہو +

شام کو واپس آ گئی۔ اُس نے پنجہ ٹکنے کے لئے جگہ نہ پائی۔ کیونکہ تمام روئے زمین پر پانی تھا۔ یہ روئے زمین کا اندازہ ہے!! آج ایسی خلاف عقل باتوں کو کون تسلیم کر سکتا ہے؟ زبانوں کا اختلاف بائیبل کے خیال کے مطابق اس لئے ہوا۔ کہ ایک دفعہ لوگوں نے ایک اونچا مینار بنایا۔ تاکہ آسمان تک پہنچ جاویں۔ پرماتما نیچے اُترے اور ان کو اپنے ارادوں میں ناکام کرنے کے لئے ان کی زبانوں میں اختلاف پیدا کر دیا +

قرآن میں لکھا ہے۔ کہ پہاڑ زمین پر میخوں کا کام کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ تاکہ زمین ہل نہ جائے۔ آج سائنس بتاتی ہے۔ کہ ان میخوں کے باوجود زمین ہر لمحہ ہل رہی ہے۔ اور اس کی حرکت ۱۹ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ہے۔ قرآن کے مطابق پہاڑ داؤد کے ساتھ باتیں کرتے اور گاتے ہیں۔ سورج دلدل کے چشمہ میں ڈوب جاتا ہے +

پورانوں کے متعلق ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اُنمیں خلاف عقل قصّوں اور فسانوں کا کوئی انت نہیں +

وید میں قانون قدرت کے خلاف کوئی تعلیم نہیں۔ جُوں جُوں ودّیا کا پرکاش ہوتا جاتا ہے۔ ویدک سچائیاں لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرتی جاتی ہیں۔ عیسائی مذہب نے سائنس کے ساتھ جنگ کی۔ کیونکہ عیسائی مذہب کی تعلیم سائنس کی تعلیم کے برخلاف تھی۔ اب وہ مقابلہ کشت و خون کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ لیکن جُوں جُوں علم کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ مغرب

میں لوگ بائیبل سے پرے ہٹتے جاتے ہیں - اور ویدک سدھانتوں کے نزدیک آتے جاتے ہیں - آریہ سماج کے نیموں میں وِدّیا کا پرکاش اور اندھکار کا ناش فرض ٹھہرایا گیا ہے - وید اُسی پرماتما کا گیان ہیں - جو سرشٹی کا مالک ہے - اور بڑھتی ہوئی روشنی ویدک سدھانتوں کی پُشٹی کرتی ہے +

۸ - دُنیا میں پاپ کہاں سے آیا؟ بائیبل اور قرآن کا جواب ایک ہی ہے - آدم کو پرماتما نے حکم دیا تھا - کہ ایک خاص درخت کا پھل نہ کھائے - آدم نے وہ پھل کھایا - اور اس کی وجہ سے تمام بنی آدم پاپی ٹھہرائے گئے - ہر ایک آدمی پاپی پیدا ہوتا ہے - یہ بیان بالکل غیر تسلّی بخش ہے - اور پرماتما کو دُوشت کرتا ہے - اگر پرماتما کو معلوم تھا - کہ آدم اتنا کمزور ہوگا - تو بہتر تھا - اس درخت کو باغ بہشت میں نہ گاڑتے - شیطان کو ذرا کمزور بناتے - اور اُسے روز قیامت تک کام کرنے کی اجازت نہ دیتے - ایک کے گُناہ کے لئے دوسروں کو سزا دینا انصاف کے خلاف ہے - عیسائی صاحبان کہا کرتے ہیں - پرماتما پریم مے ہیں - اُنھوں نے اپنا اکلوتا بیٹا صلیب پر کھینچا جانے کے لئے بھیجا - تاکہ منش ماتر دوزخ کی آگ سے بچ رہیں - میں پُوچھتا ہوں - کہ اگر پرماتما نے اس وسیلہ سے منش ماتر کو دوزخ سے بچانے کا یتن کیا ہے - تو دوزخ میں ڈالنے کا یتن بھی تو ان کی مہربانی سے ہی ہُوا تھا - آج جو شخص گنہگار پیدا ہوتا ہے - وہ اپنے پہلے کرموں کی وجہ

٭ بعض اسے عقل کا درخت سمجھتے ہیں بعض گندم - شکر ہے اب تو عقل حاصل کرنا یا گندم کھانا پاپ نہیں +

سے گنہگار نہیں۔ کیونکہ اُس نے تو عیسائی خیال کے مطابق پہلے کچھ کیا ہی نہیں۔ آدم کو خدا نے بنایا۔ شیطان کو خدا نے بنایا آدم کو کمزور بنایا۔ شیطان کو طاقتور ضدّی بنایا۔ اگر دُنیا میں پاپ کا وجود ہے۔ تو اُس کے لئے آخیر جاکر پرماتما ذمہ وار ٹھہرتے ہیں۔ اگر عیسائیوں کا خیال دُرست بھی مان لیا جاوے کہ پرماتما نے عیسےٰ کی قُربانی کی وجہ سے پاپیوں کو دوزخ کی آگ سے بچا دیا ہے۔ تو بھی مجھے اس میں اگادھ پریم کا کوئی ظہور نہیں دکھائی دیتا۔ پرماتما کا کام قریباً ایسا ہی ہے۔ جیسا ایک ڈاکٹر باپ کا جو پہلے اپنے بچّوں کو جان بُوجھ کر زہر دے دیتا ہے۔ یا زہر خوبصورت شکل میں اُن کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اور پیچھے آپ تکلیف میں پڑکر اُنھیں تندرست کرتا ہے۔ اور پھر اُن سے شکریہ طلب کرتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ دیکھو میں نے تمہارے لئے کتنا کشٹ سہن کیا ہے۔ اور تمہیں کیسے دُکھ سے آزاد کیا ہے۔ لڑکے پوری معقولیّت سے کہہ سکتے ہیں۔ ہم شکر گذار ہیں۔ لیکن یہ کونسا پریم تھا۔ جس سے مُحرّک ہو کر آپ نے ہمیں زہر دے دیا تھا؟ یا ہمارے سامنے رکھ دیا تھا؟

آریہ سِدّھانت پاپ کے وجود کے لئے پرماتما کو ذمہ وار نہیں ٹھہراتا انسانی آتما آزاد ہے۔ اور آزاد ہونے کی وجہ سے پرماتما کے نیموں کو توڑ سکتی ہے لیکن اس نافرمانی کے بعد اسکی سزا سے بچ نہیں سکتی۔ پاپ کرنے میں آزاد ہے لیکن پاپ کی سزا بھوگنے میں آزاد نہیں شیطان کا وجود ایک وہم ہے خود انسان کے آتما میں ہی دو نو قسم کی برتیاں ہیں دیو آسُر سنگرام خود اُس کی آتما

کے بھاوؤں کے درمیان ہوتا ہے - ہم خود اپنی قسمت کے بنانے والے ہیں۔ اس وقت کے حالات جو ہمیں ملے ہوئے ہیں ہمنے پہلے کرموں کی بدولت کمائے ہیں - اور موجودہ کرموں سے آیندہ حالات کو کمائیں گے - کرموں کا مسئلہ آریہ سدھانتوں میں ایک پرسدھ سدھانت ہے - اس کے متعلق آخری لیکچر میں کچھ خیالات ظاہر کئے گئے ہیں +

۹ - انسانی زندگی کا انجام کیا ہوگا؟ منش کی ساری کوششوں کا آدرش کیا ہے ؟ یہ سوال بھی ضروری ہے - قرآن اور بائیبل کے مطابق یہ جنم ہمارا اکیلا جنم ہے - جس میں ہم کوشش کر سکتے ہیں - آتما کے متعلق لکھتے ہوئے اس خیال کی پڑتال کی گئی ہے - قرآن اور بائیبل کے مطابق اس مختصر جنم کے کرموں کے لئے ہمیں غیر محدود زمانہ تک سزا یا جزا بھگتنی پڑیگی - یہ کرموں اور اُن کے پھل کے درمیان خوب نسبت ہے !! بہشت اور دوزخ کے نقشے جو قرآن اور بائیبل میں کھینچے گئے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں - اہل عرب کی نظروں میں بہشت کی تصویر اس سے بہتر کیا ہو سکتی تھی - کہ وہاں باغ ہوں - شراب کی اور ٹھنڈے پانی کی نہریں ہوں - خوبصورت عورتوں اور لونڈوں کی بہتات ہو؟ بائیبل کا خیال ایسا ستھول نہیں - لیکن وہاں بھی بہشت کا نقشہ یہی ہے - کہ وہاں اپنی بیوی بچوں دوستوں بھلے پرشوں سے ملاپ ہوگا - ہر قسم کے آرام مہیا ہونگے - پورانوں میں بھی سورگ کا نقشہ اسی قسم کا ہے - نرک یا دوزخ میں بھی جتنے عذاب جمع ہو سکتے تھے - کر دئیے گئے ہیں - غرض ان کتابوں کے مطابق جیون کا اودیش بہشت کا حاصل کرنا ہے - جس کی رہائش قرآن

اور پورانوں کے مطابق ایسے مکان کی رہائش ہے۔ جہاں عیش و عشرت کے ہر قسم کے سامان مُہیا ہیں۔ اور عیسائی خیال کے مطابق ایسی زندگی ہے۔ جہاں ساماجک جیون کا ہر قسم کا آنند ملتا ہے +

آریہ سدھانت کے مطابق انسانی جیون کا آدرش کیا ہے؟

یہ آدرش آتمک مانسک شاریرک شکتیوں کی نشو ونُما ہے۔ جس سے انسان جو کچھ بن سکتا ہے بن جائے۔ اور پرماتما سے ملاپ حاصل کرے۔ سب سے اُونچا آدرش یہ ہے۔ کہ انسان گناہوں سے آزاد ہو جائے۔ ویدک مُکتی عیش و عشرت کے لئے نہیں سوشل تعلّقات میں آنند کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ اس کا خاص نشان پاپ کے لیش سے آزاد ہونا ہے۔ یہی درحقیقت دھارمک جیون کا آدرش ہونا چاہئے۔ یہی رُوحانی کوششوں کا مقصد ہے۔

پروفیسر ولیم جیمز لکھتے ہیں:۔ "یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ کہ جس چیز کو عموماً دھارمک یا آتمک اُنّتی خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اصل میں قبر سے پرے مادّی اُنّتی یا سوشل اونّتی ہی ہے۔ مسلمان چاہتے ہیں۔ کہ بہشت میں پُہنچیں۔ عیسائی چاہئے ہیں۔ کہ دوزخ میں نہ ڈالے جائیں۔ ان خواہشوں میں صاف ظاہر ہے۔ کہ مادّی چیزوں کی تلاش ہے۔ بہشت کا زیادہ سوکھشم سوُروپ جو دیا جاتا ہے۔ اس میں بھلے پرشوں اپنے مرے ہوئے رشتہ داروں سے پھر ملاپ ہوتا ہے۔ اور پھر پرماتما کے پاس بیٹھنا ملتا ہے۔ یہ بھی آخر ساماجک زندگی کی چیزیں ہیں۔ گو اعلےٰ قسم کی چیزیں ہیں۔ اصلی اور شدھ سوروپ میں دھارمک انتی یہ ہے۔ کہ

اِنسان اِس جنم میں یا اس کے بعد پاپ سے آزاد ہونے اور آتما کو نش کلنک کرنے کی کوشش کرے۔

۱۰ا - یہ چند باتیں ہیں جن کے سمبندھ میں ویدک تعلیم کا مقابلہ دوسری کتابوں کی سکھشا سے کیا گیا ہے۔ جن کے متعلق بھی الہامی ہونے کا دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ جو لوگ پراچین آریہ تہذیب کے پیرو ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کے رچے ہوئے شاستروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے لئے وید کے حق میں زبردست شہادت ملتی ہے۔ ہمارا فلسفہ۔ ہمارے برہمن گرنتھ اوپ نشد۔ سمرتی۔ پوران بھی ہمارا سارا مذہبی لٹریچر اپنے آپ کو ویدوں کے آشر سے مانتا ہے۔ اور ویدوں کی بزرگی کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ ویدوں کو ایشور یہ گیان اور سوتہ پرمان کا درجہ دیا گیا ہے۔ منوجی کہتے ہیں۔ کہ جہاں سمرتی اور شُرتی (وید) کا اختلاف ہو۔ وید ہی ماننے کے یوگیہ ہیں۔ خود پوران کہتے ہیں جہاں پورانوں اور سمرتی کا اختلاف ہو۔ سمرتی ماننے کے لائق ہے۔ اور جہاں سمرتی اور شُرتی کا اختلاف ہو۔ شُرتی ماننے کے یوگیہ ہے۔ میں اس لیکچر کو **دیوی بھاگوت پوران** کے ایک اقتباس سے ختم کرتا ہوں :-

"وشنو کی اُپاسنا سناتن نہیں ہے۔ نہ وید نے کہیں بتلائی ہے۔ نہ وشنو کی دیکھشا سناتن ہے۔ ویسی ہی شو کے متعلق بھی گایتری کی اُپاسنا (وید پاٹھ یا وید میں بتائے ہوئے پرماتما کی پوجا) سناتن ہے۔ سارے ویدوں نے یہی بتلائی ہے۔

اس کے بغیر برہمن بالکل نیچے گر جاتا ہے۔ اسی اُپاسنا سے کرتیہ کرتیہ ہوتا ہے۔ اس اُپاسنا کو تیاگ کر جو وشنو کی اُپاسنا میں لگتا ہے۔ یا شو کی اُپاسنا میں پریم رکھتا ہے۔ وہ برہمن ہر صورت میں نرک کو جاتا ہے"۔ جو کچھ پوران میں صرف برہمن کے لئے کہا گیا ہے۔ وہ دوسرے ورنوں کے متعلق بھی درست ہے ؞

ساتواں لیکچر

بجلی کی گرج

آدرش جیون کیا ہے؟

۱- ہمارا گیان گیان کے وشے اور ہماری آتمک اوستھا پر نربھر رکھتا ہے ۲- بجلی کی گرج میں پرجاپتی کا اُپدیش - ۳- منش جیون پشو جیون سے کن باتوں میں مختلف ہے؟ ۴- سقراط اور سوامی دیانند ۵- جیون کی کامیابی کا راز - ۶- دیو آسُر سنگرام - دھرم کا پہلا اور سب سے بڑا انگ - ۷- ساماجک جیون میں منش کا دھرم - (۱) اہنسا - قانون اس سے آگے نہیں جاتا - (۲) سوشیل دھرم کا دوسرا انگ - دوسروں کے لئے دیا کا بھاؤ ہونا چاہئے - (۳) دیا کا اظہار دان میں ہوتا ہے - دان کے متعلق دو سوال ۔

۱- ہمارے سامنے برہمانڈ وستار سے کھلا پڑا ہے - لیکن ہم اُس کا نہائت ہی خفیف حصہ دیکھتے ہیں - ہمارے اردگرد ہزاروں قسم کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں لیکن ہم ان میں سے بہت کم کو سنتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ ہمارا آتمک جیون ہر ایک لمحہ میں تنگ حدوں میں بند ہے - ہم زیادہ دیکھ نہیں سکتے - زیادہ سن نہیں سکتے -

سونگھنے اور چکھنے میں ہماری شکتیوں کا سنکوچ اور کبھی پرسار ہوتا ہے
ہم باغ میں جاتے ہیں وہاں ہزاروں پھول اپنی اپنی خوشبو سے
ہوا کو مہکاتے ہیں۔ مگر ہم کو خوشبوئیوں کی اس بڑی تعداد کا
گیان نہیں ہوتا۔ مختلف خوشبوئیاں مل ملا کر ایک ہی اثر ہمارے
من میں پیدا کرتی ہیں۔ جو اثر مختلف پھولوں جُدا جُدا خوشبوئیوں
کے اثر سے مختلف ہے۔ اور جو ان تمام کے مجموعہ سے بھی مختلف
ہے +

اس برہمانڈ سے جو اتنا وستار سے ہمارے سامنے کُھلا ہے
ہم میں سے ہر ایک ایک خفیف حصہ کو انوبھو کرتا ہے۔ اور وہ
خفیف حصہ سب کی حالت میں ایک نہیں ہوتا۔ میں ایک حصہ دیکھتا
ہوں۔ میرا دوست دوسرا حصہ دیکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ اس
گیان کا ذریعہ بیرونی برہمانڈ پر ہی نہیں۔ بلکہ ہماری طبیعت اور ہماری
اوستھا پر بھی ہوتا ہے۔ جس طرح یرقان کا مریض اُن پتوں کو جنہیں
دوسرے سبز رنگ میں دیکھتے ہیں۔ پیلا دیکھتا ہے۔ اِسی طرح
آتمک جیون میں بھی حال ہے۔ ہر ایک کو ایک خاص قسم کا یرقان
ہے۔ اور اُس کی وجہ سے اُس کا گیان ایک خاص رنگ میں رنگا ہوتا
ہے +

آتمک جیون کے اس بڑے اصول کو سپشٹ کرنے کے لئے ہم
ایک عام فہم اودھارن سے مدد لے سکتے ہیں۔ تین آدمی باہر پھرنے
جا رہے تھے درخت کی ٹہنیوں میں سے ایک پرند کی آواز آئی
ایک نے کہا معمولی انسان روز پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ ان کا

جیون پانی کے بُلبلے کی طرح ہوتا ہے - اور دُنیا کی نظروں میں اُن کی وقعت بُلبلے کی وقعت سے زیادہ نہیں ہوتی - لیکن کبھی کبھی ایسے انسان بھی شہرت کے آسمان پر آ جاتے ہیں - کہ اُن کی چمک چاند اور سورج کو مات کر دیتی ہے - انسان تو کیا حیوان بھی اُنہیں یاد کرتے ہیں - دیکھو پرند کہتا ہے" سیتا رام جسرتھ" دوسرے نے کہا" تمہارے دماغ نے بھی خوب کلپنا کی - یہ یہ انسان ہی ہیں - جو پرماتما کو چھوڑ کر انسانوں کے قدموں میں گرتے اور اُن کا سمرن کرتے ہیں - باقی جاندار اور غیر جاندار قدرت تو ایک پرماتما کو پُوجا کے یوگیہ سمجھتی ہے - پرند کو سیتا رام کے فسانوں سے کیا تعلّق ؟ یہ تو پرماتما کے گنا باد گاتا ہے اور کہتا ہے سُبحان تیری قدرت تیسرا ان دونوں کی بات سُن کر کھل کھلا کر ہنسا اور کہا - عقل کے گھوڑے دوڑانے والے ہوں تو آپ جیسے ہوں - معمولی باتوں کو بھی غیر معمولی بنا دینا آپ کا ہی کام ہے - پرند پرماتما کی سُتتی نہیں گاتا - نہ ہی پراچین اتہاس یاد کرتا ہے - بلکہ یہ تو گرہستی کی روزمرّہ کی استعمال کی بعض چیزوں کو گن رہا ہے - اور کہتا ہے" لُون تیل ادرک" یہاں پرند کی آواز ایک تھی - لیکن سننے والوں میں ایک ایشور کا اُپاسک تھا - دوسرا رام کا بھگت اور تیسرا بنیا - تینوں کی طبیعتیں مختلف تھیں - اور تینوں نے ایک ہی آواز کو مختلف معنوں میں سمجھا +

دُنیا کی چیزوں کی قیمت لگانے میں بھی اسی وجہ سے ہمارا اختلاف رائے ہوتا ہے - موٹی بات ہے پریم کا جذبہ

ہر ایک ہردیہ میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس جذبہ کا وشئہ تمام حالتوں میں ایک نہیں ہوتا۔ رام ایک چیز کو پیار کرتا ہے۔ شام دوسری چیز کو۔ ایک ہی چیز کو رام اور شام دیکھتے ہیں۔ رام کو اُس میں گُن ہی گُن پرتیت ہوتے ہیں شام کو اس میں قابل غور چنہہ ہی معلوم نہیں ہوتا۔ ہر ایک لیلی کے لئے ایک مجنوں ہے۔ اور جو لُطف اُس مجنوں کو اس لیلی کے دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ دوسروں کو نہیں آ سکتا +

اچیتن جگت کو دیکھیں۔ ایک شخص دریا کے کنارے رہتا ہوا اپنی آتما میں کوئی اثر محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے کی آتما اس نظارہ سے گدگد پرسن ہو جاتی ہے۔ ایک شخص گرمی کے موسم میں پہاڑوں پر جانا دُنیا کے بہشت میں نواس کرنا خیال کرتا ہے دوسرا کہتا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں ریت پتھر درخت اور پانی کے سوا کیا دھرا ہے؟ اور یہ چیزیں آخر کیا ہیں؟

خُوبصُورتی کے نُکتہ خیال سے ہی نہیں بلکہ تعلقات کے خیال سے بھی اچیتن جگت کے متعلّق مختلف لوگوں کے خیال مختلف ہیں اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اُن کے آتمک بھاؤ جُدا جُدا ہیں شیکسپیر کے ایک ناٹک میں جلاوطن ہُوا ہُوا ٹھاکر کہتا ہے "ہماری زندگی میں کسی قسم کے شور و شر کو دخل نہیں۔ درختوں کے پتے ہمارے لئے بولتی ہوئی زبانیں ہیں۔ بہتی ہوئی ندیاں ہمارے لئے کتابیں ہیں۔ پتھروں سے ہمیں اُپدیش ملتے ہیں۔ اور ہر ایک بات میں ہمیں بہتری معلوم ہوتی ہے"۔ سعدی نے بھی کہا ہے ؏

کوہ و صحرا و درختاں ہمہ در تسبیح اند ۔ نہ ہمہ مستمعاں فہم کنند ایں اسرار

غرض جس قسم کے بھاؤ ایک انسان کی آتما میں موجود ہوتے ہیں اسی قسم کے ظہور قدرت میں اُسے دکھائی دیتے ہیں ۔ قدرت کی بڑی بڑی طاقتیں ایک معمولی انسان کے کان میں کچھ نہیں کہتیں لیکن ایک اثر پذیر دل کے لئے ایک پتہ کا ہلنا بھی معنے رکھتا ہے ؞

۲ ۔ اگر کوئی اور وجہ نہیں ۔ تو اسے محض اتفاق کا نتیجہ سمجھ سکتے ہیں کہ بہت سی قوموں کے بلند پرواز شاعروں اور نکتہ فہموں نے بجلی کی گرج میں خاص ہدائتیں سُنی ہیں ۔ آجکل کی مادی تہذیب کے عاشق اسے پُرانے لوگوں کی وہم پرستی کہہ لیں ۔ مگر میں خیال کرتا ہوں ۔ کہ ان میں سے اکثر شاعرانہ بلند پروازی اور نکتہ فہمی کی وجہ سے قدرت کی اس عجیب آواز کو ایک سرمن خیال کرتے تھے ۔ تم اگر تم اپنے بزرگوں کے متعلق تو مجھے یہ پورا وشواس ہے ۔ اُپنشدوں کے مصنفوں کے متعلق جو شخص کچھ بھی جانتا ہے ۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ قدرتی طاقتوں کی پرستش کرنیوالے تھے ۔ اُپنشدوں میں صاف لفظوں میں کہا ہے ۔ کہ تمام قدرتی طاقتیں پرماتما سے بل حاصل کر کے اپنا اپنا کام کرتی ہیں ۔ انکی طاقتیں اپنی نہیں بلکہ ادھار لی ہوئی ہیں جب اُپنشدوں میں بجلی کی گرج کے متعلق ذکر آتا ہے تو ہم یہ باور نہیں کر سکتے کہ ایسا ذکر اپنشدوں کے مصنفوں کی سادہ لوحی اور کم سمجھی کا ثبوت ہے ؞

خیر یہ جملہ معترضہ تھا ۔ ہمیں دیکھنا چاہیئے ۔ کہ بجلی کی گرج ہمیں کیا سکھلاتی ہے ۔ برہدارنیک اُپنشد میں کہا گیا ہے ۔ کہ بجلی اپنی گرج میں تین آوازیں سُناتی ہے ۔ دا ۔ دا ۔ دا ۔ اور یہ تینوں ویسا

دیا دھوم - دتا کے مختلف ہیں - یعنے بجلی کی گرج کا اُپدیش ہے
(ا) اپنے آپ پر ضبط رکھو۔
(ب) دیا کرو۔
(ج) دان دو۔
منش جیون کا اودیش ان تین لفظوں میں آجاتا ہے - اسے ہم ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے +

۴ - منش جیون اور پشو جیون میں ایک بڑا بھید یہ ہے - کہ پشو ورتمان کی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں - اور منش ان خواہشات کو دبا سکتے ہیں - پشو کا جیون ایک رشتہ میں پرو دیا ہوا نہیں ہوتا بیرونی قدرت کبھی اُسے ایک طرح ناچ نچاتی ہے - کبھی دوسری طرح - لیکن منش قدرت کے ہاتھوں میں پتلی کی طرح ہی نہیں کھیلتا - بلکہ خود فیصلہ کرتا ہے - کہ کس طرح خاص حالات میں کام کرے - پشو کے لئے فقط ایک راستہ ہوتا ہے - اور منش کے لئے ایک سے زیادہ جن میں کوئی ایک اختیار کرنا اس کے بس میں ہوتا ہے - پشو کا جیون ایسے حصوں سے بنا ہوتا ہے - جن میں کوئی اندرونی جوڑ اور رشتہ نہیں ہوتا - لیکن منش کا جیون ایک مالا کی طرح ہوتا ہے - جس کے مختلف منکوں میں ایک تاگا گذر کر اُن کو ایک بنا دیتا ہے +

اِس اصول کو ہم ایک سادہ مثال سے سپشٹ کر سکتے ہیں - ایک کمرے میں لذیذ کھانا پڑا ہے - اس میں ایک بھوکھا کتا داخل ہوتا ہے - کھانا دیکھتے ہی اُس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اُسے کھالے اور وہ فوراً بغیر کسی قسم کی سوچ بچار کے اُسے

کھانے لگتا ہے - ایسے حالات میں کتّے کے لئے فقط ایک ہی راستہ ہے - ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں - کہ جہاں بھوکا کتّا اپنے سامنے لذیذ کھانا دیکھیگا - اُسے کھانا شروع کردیگا - لیکن انسان کے متعلق ہم ایسا نہیں کہہ سکتے - اگر ایک شخص بھوکا ہو اور اس کے سامنے لذیذ کھانا پڑا ہو - تو کئی حالتیں ایسی ہوسکتی ہیں - جن میں وہ شخص کھانے کی خواہش کو دبائے رکھے - ممکن ہے - اس کے دل میں خیال آئے کہ کھانا اس کا نہیں اور بھوکا ہونے کے باوجود اس کا حق نہیں کہ اُسے کھائے - ممکن ہے کھانا اس کا اپنا ہو اور وہ اس خیال سے نہ کھائے - کہ دوسرے شخص کی ضرورت اس سے زیادہ ہے - ممکن ہے اس کے دل میں خیال آجائے - کہ یہ وقت پڑھنے یا لیکچر سُننے کا ہے - کھانے کے متعلق پیچھے دیکھا جائیگا - ممکن ہے برت رکھنے کی وجہ سے وہ کھانا کھانے کو پاپ خیال کرتا ہو - ایسے خیال ایک منش کو مجبور کرسکتے ہیں - کہ اپنی موجودہ زبردست خواہش کو دبالے - لیکن پشو کے جیون میں ایسا نہیں ہوتا - پشو جیون میں اگر ایک ہی خواہش کسی موقعہ پر ہوتی ہے - تو وہ پوری کی جاتی ہے - یا کم از کم پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - اگر ایک سے زیادہ خواہشیں ہوں - تو اُن میں سے زبردست خواہش کا راجیہ ہوتا ہے - پشو جیون کے سنگرام میں سوال یہ ہوتا ہے کہ کون سی خواہش کمزور ہے - اور کون سی زبردست ہے - منش جیون میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے - کہ کون سی خواہش اُتم ہے اور کون سی نکرشٹ - ادنےٰ اعلےٰ کی تمیز حیوانی زندگی میں موجود نہیں +

کون سی خواہش اعلےٰ ہے اور کون سی ادنےٰ ہے؟ یہ سوال ایک ضروری سوال ہے۔ وہ خواہش اوتم ہے جس کا پورا کرنا منش کو اُس کے آدرش کے نزدیک لے جاتا ہے۔ اور وہ خواہش نکرشٹ ہے۔ جس کا پورا کرنا اُسے اپنے جیون کے آدرش سے پرے پھینک دیتا ہے۔ کیرکٹر کا انسان وہ ہے جس کی ساری زندگی ایسے کاموں سے بنتی ہے۔ جن کو کرتے ہوئے اس کا انتم اودیش اس کے سامنے رہتا ہے۔ اگر یہ اودیش اچھا ہے تو وہ نیک کیرکٹر کا انسان ہے +

منش کے جیون کو ناٹک سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور یہ ودھارنا نہایت ہی موزوں ہے۔ ڈاکٹروں کے مکان میں ایک تختہ کاغذ پر مختلف اکھشر لکھے ہوتے ہیں۔ جن سے مریضوں کی بینائی کا امتحان کیا جاتا ہے۔ یہ اکھشر ایک دوسرے سے جُدا جُدا اور بے تعلق ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں کچھ اکھشر مل کر ایک شبد بناتے ہیں۔ ان میں ایک اندرونی رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شبدوں کا حال ہے دس شبد جُدا جُدا ہو سکتے ہیں۔ اور وہ دس مل کر ایک فقرہ بھی بنا سکتے ہیں۔ دوسری حالت میں وہ دس نہیں رہتے بلکہ ایک بن جاتے ہیں۔ یہی حال فقروں اور چھوٹی چھوٹی عبارتوں مثلاً اخباری عبارتوں کا ہے۔ اخباری عبارتوں سے زیادہ گٹھت ایک کہانیوں کی کتاب میں ہوتی ہے۔ لیکن ساہت (لٹریچر) میں گٹھت کا سب سے اعلےٰ نمونہ ناٹک ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصوں سے الگ سمجھ میں ہی نہیں آسکتا۔ اور ایک حد تک بے معنے بن جاتا ہے۔ ناٹک کے مختلف حصوں میں ایک رشتہ ہوتا ہے۔ جو تمام حصوں کو

ایک بنا دیتا ہے۔ یہ ایکتا کہانیوں کی کتاب میں یا اخبار کے مختلف حصوں میں نہیں ہوتی۔ آدرش انسانی جیون ناٹک کی طرح گٹھت ہوتا ہے۔ اس کے مختلف حصے بکھرے ہوئے دانوں کی طرح نہیں ہوتے۔ بلکہ سارا جیون ایک مالا کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں ایک تاگا تمام منکوں کو پروتا ہے۔ انسانی جیون کی مالا کا تاگا انتم اودیش ہوتا ہے۔ اور وہی جیون کامیاب جیون سمجھا جا سکتا ہے۔ جس میں کوئی اعلےٰ آدرش شروع سے لے کر اخیر تک کام کرے۔ جتنے مہان پُرش ہوئے ہیں۔ ان کی زندگی اس اصول پر روشنی ڈالتی ہے۔ وہ اپنے اصول پر کاربند رہتے ہیں سقراط خاص اصولوں کا پرچار کرتا ہے۔ اس کے کم سمجھ ہموطن اس کی سکھشا کو قوم کے لئے ہانی کارک خیال کرتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں۔ کہ زہر کے پیالے سے اس کا کام تمام کیا جائے۔ سقراط کے لئے بچاؤ کا ایک راستہ کھلا ہے۔ وہ جرمانہ ادا کر کے جان بچا سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنا آدرش سے گرنا ہے۔ ایسا کرنا جیون کی مالا میں سے اصول کا تاگا نکال پھینکنا ہے۔ اس کی نظروں میں ایسا کرنا انسانیت کا کھو دینا ہے۔ منش پدوی سے گر جاتا ہے۔ اس لئے وہ ایسے خیال کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا وہ کہتا ہے۔ کہ جرمانہ دینے سے وہ بھی ایک طرح سے اقبال کریگا کہ وہ مجرم ہے۔ ایسی بےحرمتی کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ اس کے دوست یہ بھی اسے سمجھاتے ہیں۔ کہ وہ قیدخانہ کی کوٹھڑی سے بھاگنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ لیکن اُس کی شاہانہ آتما ایسے

خیال کو کچھ وقعت نہیں دے سکتی۔ وہ پُوچھتا ہے "مجھے ایسی جگہ بتاؤ جہاں موت نہیں پہنچ سکتی۔ اور میں ہمیشہ کے لئے اس سے محفوظ رہ سکتا ہوں؟" وہ زہر کا پیالہ پیتا ہے۔ لیکن جیون کی کتاب کا شیرازہ ڈھیلا نہیں ہونے دیتا ﴿

سوامی دیانند اندھکار کے دُور کرنے کے لئے پرچار کا کام ہاتھ میں لیتے ہیں۔ اُن کا دِل پریم اور ہمدردی کے بھاؤوں سے بھرا ہے۔ سچّائی کے دریافت کرنے کے لئے گھر کو چھوڑتے ہیں۔ رشتہ داروں سے ایسا قطع تعلّق کرتے ہیں۔ کہ عمر بھر نہ کسی کا مُنہ دیکھتے ہیں۔ نہ کسی کو مُنہ دکھاتے ہیں۔ کٹھن راستوں سے گُذرتے ہیں۔ برفوں میں دن گذارتے ہیں۔ مانگ کر کھاتے ہیں۔ اُستاد کی جھڑکیں سہتے ہیں۔ قسم قسم کی تپسیا اور کشٹ سہن کے بعد ویدک سچّائی کو حاصل کرتے ہیں۔ اور اُس کے پرکاش کے لئے کمر باندھتے ہیں لیکن اُنھیں ایک ناشکر گذار قوم سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہندو اپنے رکھشک پر پھول نہیں بلکہ اینٹیں برساتے ہیں۔ کیا یہ اینٹیں سوامی جی کے کام کو بند کر سکتی ہیں؟ اینٹیں آئیں یا جائیں۔ یہ اینٹوں کا کام ہے یا اینٹیں پھینکنے والوں کا۔ اُن کا کام پرچار کرنا ہے اور اینٹوں کا آنا جانا اِس کام کو روک نہیں سکتا۔ انہوں نے جیون میں ایک اعلےٰ اصول کو دھارن کیا ہے۔ اور اس اصُول کی سیوا میں اُن کا جیون ختم ہوگا۔ کوئی تکلیف اُنھیں اس اصول کی سیوا سے روک نہیں سکتی۔ کوئی ترغیب اُنھیں اس راستہ سے پرے نہیں

پھینگ شکتی +

۵ - جب ایک شخص کے جیون میں ایک اعلےٰ اصول کا راجیہ ہوتا ہے - تو اُس کے یہ معنے نہیں کہ وہ خواہشات کو ناش کر دیتا ہے - خواہشات کو ناش کرنا نہیں بلکہ اُن کا دبانا اُنھیں قابو میں رکھنا اُنہیں اُتم اوویش کی پورتی کے لئے سادھن بنا کر استعمال کرنا - یہ جیون کی کامیابی کا راز ہے +

اِنسانی خواہشیں ایک زبردست طاقت ہیں - اول تو یہ یقینی امر نہیں کہ وہ ناش ہو سکتی ہیں - لیکن اگر ناش ہو بھی سکیں تو بھی اُن کی شکتی کو اُتم اوویش کی پورتی کے لئے استعمال کرنا ہزار گُنا بہتر ہے - شاستروں میں اِس نکتہ کو سُندرتی سے سمجھایا گیا ہے - ہمارا شریر ایک رتھ ہے - جس میں آتما سوار ہے - ہماری اِندریاں رتھ کے گھوڑے ہیں - سیدھا راستہ تنگ ہے - اور اُس کے دونو طرف گہری کھائیاں ہیں جن سے پرے ہری کھیتیاں ہیں - گھوڑے چاہتے ہیں - کہ اُن کھیتیوں میں چلے جائیں - اُن میں اِتنا گیان نہیں - کہ وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں وہ رتھ کو سوار کو اور اپنے آپ کو ناش کر دینگے - اگر اُن کا اختیار ہو - تو وہ کھائی میں موت کے مُنہ میں کود پڑیں گے - لیکن سمجھدار رتھ چلانے والے کا کیا دھرم ہے؟ اس کا کام ہے - کہ گھوڑوں کو قابو میں رکھے اور اُنھیں سیدھے راستہ پر چلا دے - اور اگر اس ڈر سے کہ مبادا کہیں کھائی میں گر پڑے - وہ گھوڑوں کو مار دیتا ہے

توگرنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ لیکن رتھ کا آگے بڑھنا اسمبھو ہو جاتا ہے
اس طرح جیون یاترا میں ترقی کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں
اول یہ کہ ہماری خواہشات ہمیں گراوٹ کے گڑھے میں نہ
پھینک دیں +

دوم یہ کہ ہم ان کی طاقت کو استعمال کریں۔ تاکہ ہم آگے بڑھتے
جائیں +

۶۔ لیکن گھوڑوں کا قابو رکھنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس میں کامیاب
ہونے کیلئے اعلے درجہ کی تپسیا اور ہر لمحہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔
اس کے لئے ضرورت ہے۔ کہ رتھ چلانے والے میں اتنی طاقت
ہو کہ وہ گھوڑوں کو روک سکے۔ گھوڑے ایسے مریل اور سدھے
ہوئے نہیں۔ کہ ایک دفعہ سیدھے راستہ پر چلا دیا۔ اور بیسویں صدی کے
ٹانگوں کے گھوڑوں کی طرح یا چھکڑوں کے بیلوں کی طرح سارتھی کے
سونے کی حالت میں بھی چلے جائیں گے۔ سارتھی کو یاتر کے ہر ایک
قدم پر اُن کے ساتھ جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ یہ دیو آسُر سنگرام ہے
جو منش کے جیون میں ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ آسُری برتیاں دیوی
برتیوں سے ہر ایک قدم پر جنگ کرتی ہیں۔ لیکن عموماً ایسا ہوتا
ہے۔ کہ رتھ کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا خاص کر شریر ہوتا ہے
اور سارتھی کی خاص کوشش اسے قابو میں رکھنے کے لئے خرچ ہوتی
ہے۔ ساری شرارت کا نچوڑ اس میں ہوتا ہے۔ اگر وہ قابو میں
آجائے تو سمجھو یاترا کامیابی سے ختم ہوئی۔ ہر ایک منش کے
جیون میں اسُروں کی طاقت ایک خاص برتی میں ظاہر ہوتی ہے

اوراس شخص کی حالت میں پاپ کے ساتھ مقابلہ کرنا اس رُتی کا دبانا ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص سوچ کر یہ معلوم کر سکتا ہے۔ کہ اس کے جیون میں کمزور جگہ کونسی ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر ایک مریض کا امتحان کرتے وقت اُس کی نبض دیکھتا ہے۔ اس کی زبان دیکھتا ہے۔ اور اوزاروں کے ذریعہ اس کی چھاتی اور پشت کے مختلف حصّوں کی حالت کو جانچتا ہے۔ ویسے ہی ہر ایک شخص کو اپنی آتما کا امتحان کرنا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے۔ کہ نقص کہاں ہے؟ فرضی قصّوں میں ہم پڑھتے ہیں کہ فلاں شخص کے جسم میں فقط آنکھ ایسی جگہ تھی۔ جہاں کوئی ضرب اثر کر سکتی تھی کسی دوسرے کی حالت میں کان ایسی کمزوری کی جگہ تھی۔ رُوحانی زندگی میں یہ ایک سچّائی ہے۔ بعض شخصوں کی رُوحانی کمزوری اِتنی ہی ہوتی ہے۔ کہ اُنھیں بُرے چتر دیکھنے کا ویسن پڑگیا ہے۔ یا جب ایک خوبصورت چہرہ دیکھتے ہیں۔ تو بُرے بھاو اُن کے من میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعضوں میں فقط اِتنا نقص ہے۔ کہ وہ دوسروں کی نندا سُنتے ہیں۔ فحش گیت یا فاحشہ عورتوں کے راگ سُنے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر ایک شخص کو معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ اس میں کونسا حصّہ ہے۔ جہاں اسُروں کا حملہ سب سے زیادہ بربادی کر سکتا ہے +

بعض دشمن اتنے زبردست ہیں۔ کہ قریباً ہر ایک آدمی اپنا دشمن ان کی صفت میں دیکھ سکتا ہے۔ یہ تعداد میں پانچ ہیں:۔ کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ آہنکار۔ یہ حیوانوں اور انسانوں

میں یکساں پائے جاتے ہیں - کر وہ ابتدائے زندگی میں ہی ظاہر
ہو جاتا ہے - میرے تیرے کا جھگڑا بھی بچوّں میں پایا جاتا ہے -
اور اگر سچ پوچھو تو یہی میرے تیرے کا جھگڑا انسانی
جماعت کی بہت سی مصیبتوں کی تہ میں ہے - اہنکار (ایں کا
بھاؤ) ایک خاص لبھانے کی شکتی رکھتا ہے - کون ہے جس نے
پشوؤں کو بھی نہیں دیکھا - کہ جہاں کہیں مقابلہ کا موقعہ آیا - اہنکار
کی وجہ سے فوراً حرکت کرنے لگ پڑے ؟ ہوشیار پور جاتے ہوئے
مَیں نے اکثر دیکھا ہے - کہ راستہ پر لیٹے ہوئے گھوڑے بھی جب
ہمارے یکّہ کے گھوڑے کو دوڑتا دیکھتے ہیں - تو یہ ظاہر کرنے کے
لئے کہ ان کے پٹھوں میں زور ہے - اور وہ بھی مقابلہ کر سکتے ہیں
دوڑ پڑتے ہیں - مَیں نے ایک موقعہ پر تین چار طوطوں کو ریل
گاڑی کا چیلنج منظور کرتے اور میل دو میل تک چلتی گاڑی
کے ساتھ آتے دیکھا - انسانی زندگی میں اہنکار بچپن میں سے
شروع ہو جاتا ہے - اور مرتے دم تک ساتھ رہتا ہے - یہی حال موہ
کا ہے - کام دیر سے ظاہر ہوتا ہے - لیکن جب ظاہر ہوتا ہے -
تو ایسے دھوم دھڑکے سے کہ باقی سب وشیوں کو مات کر دیتا ہے
ان وشیوں میں ایک ایک شخص کے جیون میں پردھان ہوتا ہے -
دوسرا دوسرے کے جیون میں - اخلاقی جیون کا آدرش جہانتک
پرتیک کے جیون کا ہی اس سے تعلّق ہے - یہ ہے - کہ وہ وشیوں
کو قابو میں رکھے - اور ان کی طاقت کو انتم اودیش کی پورتی کیلئے
استعمال کرے - اسی کا نام دم ہے - یہی پرجاپتی کی آواز ہے - جو

بجلی کی آواز میں اُوپ نشد کار سب سے پہلے سُنتا ہے - یہی دھرم کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا انگ ہے - یہی تپوں میں بڑا تپ ہے اور یگیوں میں بڑا یگیہ ہے +

یہاں تک ہم نے منش جیون پر وچار کرتے ہوئے فقط پرتیک کی زندگی کا ہی خیال کیا ہے - لیکن ہر ایک انسان سوسائٹی میں رہتا ہے - اور اس وجہ سے وہ دوسروں کے ساتھ تعلقات میں آتا ہے - اس وقت تک ان تعلقات کو ہم نے نظر انداز کیا ہے لیکن یہ تعلقات نظر انداز نہیں ہو سکتے اور ان تعلقات میں انسانی زندگی کی کامیابی کے متعلق چنتن کرنے کے بغیر ہمارے وچار بالکل ادھورے رہینگے - اب ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرینگے - کہ آدرش جیون میں پرتیک کو دوسروں کے سمبندھ میں کس طرح برتنا چاہیئے +

(۱) سب سے ضروری بات یہ ہے - کہ کوئی شخص دوسروں کی اُنتی میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہ ڈالے - دوسروں کو نیچے نہ گرائے - عام لوگوں کی ضمیر ایسے فعل کو نہایت ہی نندنیہ قرار دیتی ہے - اور گورنمنٹوں کے قانون جو عام رائے کا ہی اظہار ہوتے ہیں ایسے فعل کو جرم قرار دیتے ہیں - اگر ایک شخص اپنے پڑوسی کو کنوئیں میں دھکیل دیتا ہے - تو جہاں تک اُس کے بس میں ہے وہ پڑوسی کی آیندہ اونتی کو ناممکن بناتا ہے - اِسی طرح جو شخص اَوروں کے گھروں میں آگ لگاتا ہے - وہ بھی اُن کی سالوں کی کمائی پر پانی پھیرتا ہے -

اور اس طرح اُن کی زندگی سے کئی سال چھین لیتا ہے - جو شخص دوسرے کو مُکّا مارتا ہے - وہ بھی ایسے ہی (اگرچہ نچلے درجہ کے) جُرم کا مرتکب ہوتا ہے - سروسادھارن کی سمتی ایسے کاموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے - اور راج نیتی ایسے کاموں کے لئے ڈنڈ مقرر کرتی ہے - ہمارا پہلا اور بڑا فرض جو دوسروں کی طرف ہمیں پورا کرنا چاہئے - انصاف یا نیائے کہلاتا ہے - انصاف یہ چاہتا ہے - کہ ہم کسی کی ترقی کے راستہ میں رُکاوٹ نہ ڈالیں - اس بھاؤ کا پرسدھ نام اہنسا ہے -

میں اہنسا کے اس اصول کو پرم دھرم نہیں سمجھتا - اگر پرم دھرم کے معنے سب سے اعلےٰ فرض یا اُتم آدرش کے لئے جائیں میرے خیال میں یہ سوشل دھرم کی ابتدائی منزل ہے - ہمیں اس سے آگے بڑھنا چاہئے - قانون مجھے مجرم قرار دیتا ہے - اگر میں دوسرے کو کنوئیں میں دھکیل دیتا ہوں - لیکن اگر میں گرے ہوئے کو نکالنے کی کوشش نہیں کرتا - تو قانون کا ہاتھ میرے برخلاف نہیں اُٹھتا - برخلاف اس کے دھرم شاستر مجھے حکم دیتا ہے - کہ میں دوسروں کو کنوئیں سے نکالنے یا نکلوانے کی کوشش بھی کروں - اور اگر میں ایسا نہیں کرتا - تو دھرم شاستر کی رُو سے مجرم بنتا ہوں - قانون مجھے سزا دیتا ہے - اگر میں دوسرے کے گھر کو آگ لگاتا ہوں - لیکن مجھے مجبور نہیں کرتا کہ دوسروں کے گھر میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے کا یتن بھی کروں - الغرض قانون فقط یہ کہتا ہے کہ دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ - دھرم یہ

حکم دیتا ہے - لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی آگیا دیتا ہے - کہ دوسروں کی مدد کرو - دوسروں کی مدد کرنے کے بھاو کا نام دیا بھاو ہے - کسی دھرم پُستک کو اُٹھائیں - اس میں دیا کی مہما میں بیسیوں نہیں سینکڑوں وچن ملیں گے - دیا کو دھرم کا مُول بتلایا گیا ہے - اور حقیقت یہ ہے - کہ پرتیک کی زندگی میں جو درجہ دَم کا ہے - سوشل جیون میں وہی درجہ دَیا کا ہے: یہ جذبہ سوشل اخلاق کی جان ہے - دیا کی وجہ سے ہم دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں - ہمدردی کرنا یہ ہے - کہ ہم دوسرے کے درد کو اپنا درد سمجھیں - اور اسے دُور کرنے کی اسی طرح چیشٹا کریں - جس طرح اپنا درد دور کرنے کی چیشٹا کرتے ہیں - ہم اپنے آتما کو اتنا پھیلائیں اور فراخ کریں - کہ جو درد اور آتماؤں میں محسوس ہوتے ہیں - وہ ہمارے آتما میں محسوس ہونے لگیں +

دیا کرو - ہمدردی کا جذبہ مضبوط کرو - یہ دوسری آواز ہے - جو پرجاپتی بجلی کی گرج میں سُناتے ہیں +

(۳) دیا ایک آتمک بھاو ہے - مگر یہ آتما میں ہی ختم نہیں ہو جانا چاہئیے - بلکہ ضروری ہے - کہ اس کا عملی اظہار ہو - اس کا عملی اظہار یہ ہے - کہ ہم دوسروں کو کچھ دیں - دیا کا بھاو دان کی شکل میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے +

دان کے متعلق دو سوال سوچنے کے قابل ہیں - اوّل یہ کہ میں کیا دے سکتا ہوں - کونسی چیز دینے سے میں زیادہ سے

زیادہ کلیان کر سکتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ جنہیں کچھ دیتا ہوں۔ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ لابھ دایک کیا چیز ہو سکتی ہے ۔

پہلی بات کے متعلق زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک شخص ڈاکٹر ہے۔ وہ یہ کر سکتا ہے۔ کہ ایک گاؤں میں بیٹھ کر بچوں کو ہندی جغرافیہ اور ابتدائی حساب سکھلاتا رہے۔ یا گرمی کی راتوں میں پانی کا مٹکا سر پر اُٹھائے سڑکوں پر گھومتا رہے اور مسافروں کو پانی پلائے۔ لیکن یہ غالباً اُس کی طاقتوں کا اچھے سے اچھّا استعمال نہیں ہوگا۔ پانی پلانے کا کام اس سے بہتر اس کا مضبوط نوکر کر سکتا ہے۔ اور ہندی اور حساب سکھلانے کا کام اس سے بہتر اور لوگ کر سکتے ہیں۔ جو کسی دوسرے کام کی قابلیّت نہیں رکھتے۔ ڈاکٹر زیادہ سے زیادہ مفید کام یہی کر سکتا ہے کہ وہ دوسروں کے شاریرک دُکھ کو دُور کرے۔ کوئی کام جو دیانتداری سے کیا جاتا ہے۔ نیچ کام نہیں ہوتا۔ ہر ایک کو دیکھنا چاہئے۔ کہ وہ دوسروں کے لئے سب سے اچھّی طرح کیا کام کر سکتا ہے ۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ دان لینے والے کو کون سی چیز کی ضرورت ہے۔ اگر ایک شخص جنگل میں پیاس سے مر رہا ہے۔ اور ہم ایک حویلی سنکلپ کر کے اُسے دیدیتے ہیں۔ تو اُس کا اُسے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ پیاسے کو پانی کا دان دینا چاہئے۔ بھوکے کو انّ کا۔ ننگے کو کپڑوں کا۔ بے گھرے کو گھر کا۔ بے علم کو وِدّیا کا۔ دھرمی کو دھرم کا۔ ظاہر میں تو یہ اصول نہایت سادہ معلوم ہوتا ہے مگر ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہماری جاتی نے اس اصول سے

کمال سے پرواہی کی ہے۔
خلاصہ۔اوپنشد کی سکھشا انوسار بجلی کی گرج ہمیں سناتی ہے۔کہ ہم
(۱) اپنی اندریوں اور من کو قابو میں رکھیں خواہشات کے غلام نہ ہوں۔ بلکہ اُن کے سوامی بنیں +
(ب) دوسروں کے تعلقات میں۔
(۱) کسی کو دُکھ نہ دیں۔ یہ کم از کم ہمارا ساماجک دھرم ہے۔ کسی کی طرف ہمارا بُرا خیال تک نہ ہو +
(۲) دوسروں کے لئے ہمارے من میں دیا کا بھاو ہو +
(۳) یہ دیا کا بھاو آتمک بھاو ہی نہ رہے۔ بلکہ اس کا عملی اظہار دان میں ہو۔ دان دیتے وقت ہم خیال رکھیں کہ
(۱) ہم کیا دان دے سکتے ہیں۔جس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ لینے والوں کو پہنچ سکتا ہے +
(ب) لینے والوں کو کس چیز کی سب سے ادھک اوشکتا ہے +
پرماتما کرے۔ ہم بجلی کی گرج کو سُنتے ہوئے اُس کے اُپدیش کو سمجھ سکیں +

آٹھواں لیکچر

دھرم اور اخلاق کے سمبندھ میں سائنس کی تعلیم

۱۔ سائنس کی موجودہ ترقی اور اس کا اثر۔ ۲۔ آستک اور ناستک سائنس دان۔ ۳۔ سائنس کا کام ظہوروں کا گٹھت کرنا ہے۔ کسی درویہ کی ماہیت کی بابت بحث کرنا نہیں۔ ۴۔ سائنس اور مذہب کی جنگ۔ ۵۔ برہمانڈ کی مہانتا۔ اور اس کا نظام۔ دھرم اور سائنس کے سمبندھ کے متعلق نتیجہ ۶ (۱) زندگی کا ایک پر سدھ نشان (۲) اس سے ہم جسمانی اور اپنی ذہنی جیون کے متعلق کیا سیکھتے ہیں؟ (۳) کیا ہندو قوم زندہ ہے؟ (۴) جذب کرنا اور جذب ہونا۔ ۷۔ جیون کی ترقی اپنی کوشش پر نربھر رکھتی ہے۔ کرموں کا مسئلہ۔ ۸ (۱) زندہ جسم کے مختلف حصے ملکر کام کرتے ہیں۔ (۲) زندہ قومیں (۳) ہندو قوم کی حالت۔ سوامی دیانند کا کام۔ ۹ (۱) سنسار خوبصورتی کا بھنڈار ہے (۲) خوبصورتی کی تہ میں کیا اصول کام کرتے ہیں؟ (۳) ان اصولوں کے متعلق وید کا اُپدیش ÷

۱۔ بیسویں صدی سائنس کی ترقی کا زمانہ ہے۔ جس طرف نظر ڈالیں سائنس کے کرشمے دکھائی دیتے ہیں۔ پراچین طرز عمل اور زندگی کو قائم رکھنے کی لاکھ کوشش ہو۔ بعض باتوں میں اس کا تبدیل ہونا لازمی ہے۔ سائنس کی طاقت اتنی زبردست ہے۔ کہ بوسیدہ

خیالات اور توہمات اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے - جو شخص اس لہر کے ساتھ بہنے کے لئے تیار نہیں - ان کی طاقت سے باہر ہے - کہ وہ اس کے زور کو توڑ دیں - زندگی اپنے آپ کو حالات کے مطابق بنانے کا نام ہے اور موجودہ حالات کے بنانے میں ایک بڑا حصہ نوین سائنس کی ترقی کا ہے +

سائنس کی ترقی نے زندگی کے آرام کو بڑھا دیا ہے - ریلوے کا سفر اب چونکہ ہم اس سے واقف ہو گئے ہیں - ہمیں بعض دفعہ دوبھر معلوم ہوتا ہے - مگر اس کا مقابلہ اس گڈے کی حرکت سے کرنا چاہئے - جو ڈھمکوں ڈھمکوں گاتا آہستہ آہستہ چلتا تھا - اور دن بھر کے چلنے کے بعد یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا - کہ آگے بڑھا ہے یا پیچھے ہٹا ہے - تار کے ذریعے اب ہمارے پیغام منٹوں میں ہزاروں میلوں کے فاصلے پر پہنچ جاتے ہیں - علم طب کی سائنس نے جو کرشمے دکھلائے ہیں - ان سے ہم سب واقف ہیں - انجینئرنگ کے کمالات کسی سے پوشیدہ نہیں - جہاں توہمات کے غلام ہندو ایک معمولی ندی سے پار گزرتے وقت دریا کے دیوتا کا آواہن کرتے تھے اور مسلمان خواجہ خضر کی روح کو بے چین کر دیتے تھے - وہاں آج سائنس کی کرپا سے ایک پانچ سال کا بچہ کمال بے فکری سے سندھ جیسے ہولناک دریا سے گزر سکتا ہے - دریاؤں کا تو کیا ذکر ہے - سمندر کے سینہ پر انسان سوار ہو گیا ہے - اور اسے اپنے کام کے لئے استعمال کرتا ہے پہاڑوں کے سینے سائنس نے پھاڑ دیئے ہیں - زمین کے دبے ہوئے خزانے اس سے چھینے جا رہے ہیں - اور ہوائی قلعہ پر چڑھائی ہو رہی ہے

یہ ساری تبدیلی خوشی کا موجب ہے۔ بہرحال ایسی نہیں۔ جس کے لئے ہمیں افسوس کرنے کی ضرورت ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نئے خیالات کی ترقی نے بہت سے انسانوں کے پیارے سے پیارے اور ڈھارس دینے والے خیالات کو بھی دھکا دیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ سائنس نے اس فرضی خدا کو جسے چالاک انسانوں نے دماغ سے پیدا کیا تھا۔ اور جسے کمزور دماغ انسانوں نے اپنا مالک تصور کر لیا تھا۔ دُنیا سے خارج کر دیا ہے۔ پرماتما میں بشواس کرنا بچوں اور وحشیوں کے شایاں ہے۔ اور بیسویں صدی کے تہذیب یافتہ آدمی اور اُن کی اولاد اِسے دماغی کمزوری اور ہتک خیال کرینگے۔ کہ ایسے توہمات کا شکار بنے رہیں۔ اس خیال کے لوگ پرماتما پر بشواس رکھنے والوں کو چیلنج دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنے خیالات کو سائنس کی تعلیم کے مطابق ثابت کریں۔ کیونکہ وہ اسے تو ایک ناقابلِ بحث اصول فرض کر لیتے ہیں۔ کہ اگر کسی خیال کا سائنس سے اتفاق نہ ہو تو وہ خیال ترک کرنے کے لائق ہے ٭

۲۔ میں اس لیکچر میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرونگا۔ کہ سائنس کیا ہے؟ اس کا دائرہ تحقیقات کیا ہے؟ مذہبی اور اخلاقی زندگی پر اس کی تعلیم کا کیا اثر ہونا چاہئے؟ مجھے ڈر ہے۔ کہ بہت سے لوگ جو سائنس کی وکیل بن کر خدا پرستوں کو چیلنج دیتے ہیں سائنس کی ماہیت کو نہیں سمجھتے۔ وہ نہیں جانتے کہ سائنس نے کس کام کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اس کام کو نباہنے میں کتنی کامیابی اُسے حاصل ہوئی ہے۔ ان کا سارا زور ان چند ناموں پر ہے۔ جو بڑے سائنس دان سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو ناستک ہیں۔ میں مانتا ہوں

کہ کئی ایسے سائنس دانوں کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ ان میں سے کوئی دو تین شخص بھی شائد ایسے نہیں نکل سکتے۔ جن کے خیالات میں بعض بڑے بڑے امور میں فرق نہ ہو۔ ان فرقوں کے متعلق اور ان شخصوں کی تعلیم کے متعلق خدا پرستی پر مضحکہ اڑانے والوں کو بہت کم واقفیت ہوتی ہے۔ مجھے بعض دفعہ خیال آتا ہے۔ کہ جو شخص گھمنڈ میں آ کر کہتے ہیں۔ کہ مسئلہ ایو ولیوشن نے خدا کو دنیا سے خارج کر دیا ہے۔ ان سے پوچھوں۔ کہ کیا وہ اس مسئلہ کو اس شکل میں مانتے ہیں۔ جس میں لیمارک نے اس کی تعلیم دی ہے۔ جس میں ڈارون اور والیس اسے مانتے ہیں۔ جس میں ہربرٹ سپنسر اسے سمجھتا ہے۔ یا جس میں پورانے یونانی فلاسفر اس کا پرچار کرتے تھے۔ انسانی جماعت جس منزل کی طرف چل رہی ہے۔ اس کے متعلق ان کے خیال سپنسر سے ملتے ہیں۔ یا ہکسلے سے؟ علاوہ یہ جاننے کے کہ بڑے بڑے سائنس دان جنہیں اکثر اوقات غلطی سے ناستک کہا جاتا ہے۔ آپس میں بڑی ضروری باتوں میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ بعض سائنس دان جو سائنس کے مندر کی تعمیر میں اور اس کے پرچار میں کسی سے کم نہیں۔ پرماتما میں دڑھ بشواس رکھتے ہیں۔ نیوٹن۔ جو ریاضی دانوں کا سرتاج تسلیم کیا جاتا ہے۔ اپنی مشہور عالم کتاب پرنسپیا کے خاتمہ پر لکھتا ہے "مختلف قسموں کی قدرتی چیزیں فقط ایک ہی کارن سے اُتپن ہو سکتی ہیں۔ اور وہ کارن ایک لازمی ہستی رکھنے والی چیز کی ہستی ہے

جو ہمیشہ رہنے والی ہے - اور ہر جگہ ہے - یہ پار برہم پرماتما ہے - جو اننت ہے - سروشکتیمان ہے - سب کچھ دیکھنے والا ہے - اور ہر طرح سے شُدھ اور پوتر ہے"۔

لیکن حقیقت یہ ہے - کہ کسی سائنس دان کا پرماتما کی ہستی کے حق میں ہونا یا اُس کے برخلاف ہونا سوال کو حل نہیں کرتا - ہمیں تو یہ دیکھنا ہے - کہ سائنس کیا کہتی ہے؟ اگر آریہ سماج کا ایک ممبر درزی کا کام کرتا ہے - یا ایک عیسائی بُوٹ بناتا ہے - تو آریہ سماج یا عیسائی مذہب کی تعلیم میں درزی کا کام یا بوٹ بنانا شامل نہیں کیا جا سکتا - ایک سائنس دان پرماتما کی ہستی سے اِنکار کر سکتا ہے - لیکن ہمارے سامنے سوال یہ ہے - کہ آیا وہ سائنسدان ہونے کی حیثیّت سے - اپنی سائنس کے مطالعہ کی وجہ سے ایسا اِنکار کرنے کا حق رکھتا ہے؟

۲ - سائنس کا مقصد ایک قسم کے ظہوروں کو باندھنا ہے - میں اسے ایک دو مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کرونگا - مَیں دیکھتا ہوں - کہ جب مَیں ایک برتن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہوں - تو وہ زمین پر گر پڑتا ہے - مَیں دیکھتا ہوں - کہ سمندر کا پانی کسی وقت اوپر اونچا اُٹھ جاتا ہے - اور کسی وقت نیچے چلا جاتا ہے مَیں دیکھتا ہوں - کہ کبھی کبھی سارا سُورج روشن دکھائی نہیں دیتا - بلکہ اُس کا ایک حصّہ سیاہ ہو جاتا ہے - جب تک مجھے یہ واقعات جُدا جُدا معلوم ہیں - میرا علم سائنس نہیں کہلا سکتا - لیکن جب مَیں اِن تمام کو گٹھت کر دیتا ہوں - اور کہتا ہوں - کہ وہ تمام

قانون نقل کے عمل کی مختلف شکلیں ہیں - تو میرا علم سائنس کہلاتا ہے - اس ظہوروں کے باندھنے میں مجھے یا تو یہ کرنا پڑتا ہے - کہ جو ظہور اکٹھے ہوتے ہیں - اُنھیں ظاہر کروں - مثلاً سونے میں پیلا پن - ایک خاص وزن مخصوص - ایک خاص درجہ حرارت پر پگھلنا وغیرہ - یا یہ کہ اُن میں جو آگے پیچھے آنے کا رشتہ ہے اُسے ظاہر کروں یہ کارن کاریہ (علت معلول) کا سمبندھ ہے - مثلاً جب موم آگ کے نزدیک آتی ہے - تو وہ پگل جاتی ہے - سائنس اپنا احاطہ تحقیقات ان ظہوروں تک محدود رکھتی ہے - اس سے پرے جانا اس کا کام نہیں - سائنس کا کوئی حق نہیں - کہ کہے کہ یہ ظہور کس کے ظہور ہیں - اس کا یہ کہنے کا بھی حق نہیں کہ یہ کسی الگ وستو کے ظہور ہیں - یا اپنی آزاد ہستی رکھتے ہیں - سائنس کی ہر ایک شاخ خاص باتوں کو بنیادی اصولوں کے طور پر فرض کر لیتی ہے - اور ان بنیادوں پر عمارت کھڑا کرتی ہے - اگر ان بنیادی اصولوں کی ماہیت کے متعلق اس سے ذکر کریں - تو وہ جواب نہیں دیتی - طبعیات مادہ کی ہستی کو فرض کر لیتی ہے - اگر آپ ایک علم طبعیات کے جاننے والے سے پوچھیں - کہ اس کے پاس کیا ثبوت ہے - کہ مادہ آزاد ہستی رکھتا ہے - اور ایک موہوم چیز نہیں - تو وہ جواب دیگا - کہ ان سوالوں کا جواب دینا اُس کا کام نہیں - اس کا کام تو مادہ کے ظہوروں کو گنٹھت کرنا ہے - اور ان میں اکٹھا ہونے یا ایک دوسرے کے پیچھے آنے کا رشتہ قائم کرنا ہے - سائنس ہمیں بتلاتی ہے - کہ دنیا میں تبدیلیاں کس طرح ہو رہی ہیں - سائنس یہ نہیں بتاتی کہ وہ

تبدیلیاں کون کر رہا ہے - اس دوسرے سوال کا جواب دینا اس کے احاطہ سے باہر ہے - سائنس ظہوروں کا مطالعہ کرتی ہے - جس چیز کے وہ ظہور ہیں - اس کے متعلق کچھ رائے زنی کرنا اس کا کام نہیں فلسفہ اس بات پر بحث کرتا ہے - کہ ظہوروں کی تہ میں کوئی چیز ہے یا نہیں اور اگر ہے - تو وہ کیا ہے - اور کس قسم کی ہے +

پرماتما اور آتما ظہور نہیں - اس لئے ان کی ہستی یا ان کی نیچر کے متعلق بحث کرنا یا فتوے دینا سائنس کا کام نہیں - سائنس نے اپنے لئے ایک دائرہ تحقیقات تجویز کیا ہے - اور اگر وہ اس دائرہ سے باہر جائے - اور اس دائرہ سے باہر امور کے متعلق رائے دے - اور وہ بھی دعوے سے تو ہر ایک شخص کا حق ہے - کہ وہ اُسے اپنی پوزیشن سمجھانے کی کوشش کرے - سائنس پرماتما کی ہستی اور عدم ہستی کے متعلق کچھ نہیں کہتی - جب میں یہ کہتا ہوں - تو میں سائنس کی ہتک نہیں کرتا - ایک شخص دس سال اُپنشد یا گیتا پڑھتا رہے - اس پر بھی اُسے انگرکھا سینا نہ آئے تو اس میں اپنشدوں یا گیتا کی ہتک نہیں - اُنھوں نے تو کبھی یہ کام سکھلانا اپنے ذمہ لیا ہی نہیں تھا - اگر ایک شخص دس سال ریاضی پڑھ کر چاول پکانے کے ناقابل ہے - تو اس سے ریاضی کی تعلیم کا نکمّا ہونا ثابت نہیں ہوتا سائنس پرماتما کی ہستی کے متعلق کچھ نہیں کہتی - کیونکہ اس نے اور کام اپنے ذمہ لیا ہے - اور اس بحث سے اُسے کچھ تعلق نہیں ہے - شاید کہا جائے - کہ اگر سائنس کا دائرہ ایسا محدود اور مُتعین ہے - تو سائنس اور مذہب کے درمیان جنگ ہونے کے کیا معنی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے - کہ نئے زمانے میں سائنس نے مغرب میں ترقی کی - اور وہاں بدقسمتی سے ایک ایسے مذہب کا راج تھا - جس کے بعض خیالات نہایت ادنےٰ درجہ کے تھے - ان خیالات کو ماننا اور سائنس کی معلومات کا قائل ہونا ایک دیانت دار آدمی کیلئے ناممکن تھا - آج دنیا کے مشن سکولوں میں عیسائی پادری لڑکوں کو جغرافیہ سکھلاتے ہوئے پہلی تعلیم یہ دیتے ہیں - کہ زمین گول ہے - اور حرکت کرتی ہے - لیکن جس وقت سائنس دانوں نے پہلے اس مسئلہ کا پرچار کیا - تو اُن کو قسم قسم کی اذیتیں دیکر مار ڈالا گیا - برونو نے اس اصول کی تعلیم دی - اس وقت پادری با اختیار تھے - اُنھوں نے دیکھا - کہ ایسی تعلیم بائیبل کے برخلاف ہے - برونو کو طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں - اور کہا گیا - کہ وہ اس اصول کو غلط کہے - ورنہ اس کی جان کی خیر نہیں - برونو نے کہا سچائی کا پاس کرنا سب سے اعلےٰ فرض ہے - مَیں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ نہیں کہہ سکتا - رحم دل پادریوں نے اس پر فتوےٰ دیا - کہ اسے ایسے آسان طریقہ سے مارا جائے - جس سے اُسکے خون کا ایک قطرہ نہ گرنا پائے - برونو کو زندہ جلا دیا گیا - ہائی پیشیا (Hypatia) بیچاری ایک معصوم لڑکی سائنس کی تعلیم دیتی تھی - پادریوں نے اس تعلیم کو بھی خطرناک سمجھا - اور اُسے ڈانٹا مگر اس پر ان دھمکیوں کا کچھ اثر نہ ہوا - آخر اس کے متعلق فیصلہ کیا گیا - اور اُسے بالوں سے پکڑ کر بازاروں میں گھسیٹتے گھسیٹتے "خدا کے گھر" میں لے آئے - اور گرجہ میں آکر اُس کا چمڑہ اس کے جسم سے علیحدہ کیا گیا - اور اُس کی ہڈیاں کوٹی گئیں - اسلام کی تاریخ کی طرح عیسائی مذہب کی ترقی کی تاریخ بھی سُرخ حرفوں سے لکھی ہوئی ہے - اور وہ معصوموں کے خون سے - جو سلوک عیسائی مذہب نے قدم قدم پر اُٹھتی ہوئی

سائنس کے ساتھ کیا۔ وہ اس قسم کا تھا۔ کہ سائنس کے دلدادہ ہمیشہ کے لئے عیسائی مذہب کو خیرباد کہدیں۔ اس پر زیادتی یہ کہ جو سوروپ پرماتما کا عیسائی مذہب پیش کرتا ہے۔ وہ نہایت ہی بھدا ہے۔ جو خیال دنیا کی پیدائش اور دنیا کے متعلق عموماً بائیبل دیتی ہے۔ وہ نہایت ہی غیر تسلی بخش ہے۔ ان کارنوں سے سائنس کے جاننے والوں کے دلوں میں عموماً عیسائی مذہب اور اس کے خدا کے برخلاف زبردست خیال پیدا ہوگئے۔ اور چونکہ مغرب میں مذہب سے مراد عیسائی مذہب اور پرماتما سے مراد بائیبل کا خدا لی جاتی تھی۔ اور اب بھی لی جاتی ہے۔ اس لئے قدرتاً باوجود اس کے کہ سائنس کا احاطہ اتنا محدود اور متعین ہے۔ سائنس اور مذہب میں جنگ ہوگئی۔ اور بہت سے سائنس دان لامذہب اور دہریہ ہو گئے ٭

۵۔ میری رائے میں نئے خیال اور پرانے بوسیدہ بائیبل کے خیال میں سب سے بڑا فرق یہ ہے۔ کہ پرانے خیال کے مطابق یہ زمین تمام برہمانڈ کا مرکز تمام برہمانڈ میں ایک ہی شاندار اور قیمت کی چیز تھی۔ اور باقی تمام ستارے اور سیارے سورج اور چاند اس کے لئے ٹمٹماتے ہوئے چراغ تھے۔ جو حضرتِ انسان کی آسائش کے لئے بنے جنھوں نے زمین پر آتے ہی قتل اور خون شروع کر دیا۔ انسان اور زمین کی بڑائی کے مقابلہ میں باقی برہمانڈ بالکل بے حیثیت تھا۔ سائنس نے اس معاملہ میں خیالات کا رد بالکل بدل دیا ہے۔ اب ہر ایک تعلیم یافتہ جانتا ہے۔ کہ ہماری زمین برہمانڈ کا مرکز اور سب سے زیادہ شاندار حصہ ہونے کی جگہ کائنات میں ایک بے حیثیت ذرہ سے بڑھ کر نہیں۔ ہماری پرتھوی سے ہمارا سورج ساڑھے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ اور

انگشت سُورج اس سے بھی بڑے برھمانڈ میں موجود ہیں۔ برہمانڈ کا پھیلاؤ اتنا ہے۔ کہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلکر ہزاروں برسوں میں ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک نہیں پُہنچ سکتی۔ جہاں سائنس ہمیں برہمانڈ کی مہانتا کے مُتعلق یہ بتلاتی ہے۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی بتلاتی ہے۔ کہ تمام حصّوں میں ایک ہی قانُون کا راج ہے۔ جو ہم اس پرتھوی پر کام کر رہے ہیں وہی ان دُور دراز ستاروں میں بھی کام کر رہے ہیں۔ جن کے فاصلہ کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہے۔ جو قانون ثقل ہمارے نظام شمسی میں حکُومت کرتا ہے۔ وہی دوسرے حصّوں میں بھی راج کرتا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں۔ کہ سائنس اس معاملہ میں کوئی رائے نہیں دیتی۔ کہ یہ ظہور کس شکتی کے ہیں۔ اور یہ تبدیلیاں کون کر رہا ہے؟ سائنس یہ نہیں بتاتی کہ یہ قانون کس کا نافذ کیا ہُوا ہے۔ اور کون اِسکی تعمیل کروا رہا ہے؟ لیکن سائنس اتنا ضرور بتاتی ہے۔ کہ وہ قانون ایک ہے، اس بات کا ایک ضروری نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگر ہم برہمانڈ کو آتمک شکتی کے ماتحت سمجھتے ہیں۔ تو ہمیں ماننا پڑتا ہے۔ کہ وہ شکتی ایک ہے۔ اگر کوئی پرماتما ہے۔ تو وہ ایک لاثانی مالک ہے۔ جو اکیلا تمام سنسار پر حکومت کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سائنس کا فتوے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آستک ہے۔ تو اُسے بہت سے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر ایک پرماتما میں بشواس کرنا ضروری ہے اس جگہ تک ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ پرماتما کی ہستی کے متعلق یا عدم ہستی کے متعلق رائے زنی کرنا سائنس کے احاطہ سے باہر ہے۔ سائنس

کا کام ظہوروں کو باندھنا اور گٹھت کرنا ہے - اور پرماتما ان ظہوروں میں سے نہیں - لیکن سائنس یہ بتلاتی ہے - کہ ہمارا برہمانڈ بہت ہی مہان ہے - اور ایک ہی قانون کے ماتحت کام کرتا ہے - اس لئے اگر کوئی چیتن شکتی اس میں راجیہ کرتی ہے - تو وہ ایک ہے - اگر آستک بھاؤ کی کوئی شکل قائم رہ سکتی ہے - تو وہ ایک پرماتما میں بشواس ہے +

سائنس کا کام ان قانونوں کو جاننا ہے - جو بیرونی دنیا میں کام کرتے دکھائی دیتے ہیں - بیرونی دُنیا دو حصّوں میں بٹی ہوئی ہے - ایک غیر جاندار اور دوسرے جاندار - چونکہ ہم جاندار ہیں اس لئے اس حصّہ کا مطالعہ خصوصاً ہماری زندگی پر روشنی ڈال سکتا ہے - اس لکچر کے دوسرے حصّہ میں مَیں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں - کہ سائنس کا مطالعہ (خاص کر جاندار قدرت کا مطالعہ) ہمیں اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کیا کیا سبق سکھلاتا ہے +

۶ (۱) زندگی کیا ہے؟ اس سوال کے متعلق صدیوں سے بحث ہو رہی ہے - اور اس وقت بھی اس کے متعلق کوئی اتّفاق رائے نہیں - مَیں یہاں اس مسئلہ پر دقیق فلسفہ کی بحث نہیں کر سکتا موٹے الفاظ میں آپ کی توجہ زندگی کے ایک نشان کی طرف دلاؤنگا - میرے ہاتھ میں گھڑی ہے - اسے ہم بیجان کہتے ہیں - سامنے ایک درخت ہے - یا ایک چڑیا ہے درخت اور چڑیا کو ہم جاندار کہتے ہیں - گھڑی میں اور درخت میں کیا فرق ہے؟

گھڑی پرکرتی کے ذرّوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں یہ شکتی نہیں۔ کہ وہ باہر کے ذرّوں کو اپنے آپ میں جذب کر سکیں۔ اور گھڑی کے پُرزے بنا سکیں۔ نہ اُن میں شکتی ہے۔ کہ وہ اپنے حصوں کو خارج کر سکیں۔ لیکن درخت ہر وقت بیرونی اجزا کو اپنے آپ میں جذب کر رہا ہے۔ اور اُنھیں تبدیل کر کے درخت بنا رہا ہے۔ جو جُزو ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اُنھیں اپنے آپ سے خارج کر رہا ہے۔ یہ بڑا درخت ایک وقت ننھا سا پودا تھا۔ اُس سے پہلے یہ نہایت ہی خفیف سبز نشان تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی اس کے قد میں کس طرح ہو گئی؟ اس میں ایک جوہر تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے اپنے اِردگرد کی ہَوا سے۔ اُس زمین سے جس میں یہ گڑا تھا۔ ایسے اجزا کو جو درخت نہیں تھے کھینچنا شروع کر دیا۔ اور اُن کی سرشت میں تبدیلی کر کے اُنھیں اپنا حصہ بنا لیا۔ اس طرح ہر روز ہر لمحہ یہ بڑھتا رہا ہے۔ اس بڑھنے کے ساتھ ہی بعض اجزا کو یہ باہر پھینکتا رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے کام کے نہیں رہتے وہ جوہر جس کی بدولت اس میں ایسی تبدیلی ہوئی۔ زندگی کا جوہر ہے۔ یہی جوہر حیوانوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک بکری گھاس کھاتی ہے۔ اور اس گھاس کو پیس پیس کر اور اس میں ایسی تبدیلیاں کر کے جن کا گیان تک ہمیں نہیں۔ اس کے ایک حصہ کو اپنے جسم کا گوشت اور ہڈی بناتی ہے۔ باقی اجزا کو پھینک دیتی ہے۔ گھاس اور پتّے پہلے بکری کا گوشت نہیں تھے۔ بکری نے اپنی اِردگرد کی دُنیا سے ان چیزوں کو اُٹھا لیا۔ اُنھیں فقط

اپنے جسم پر باندھ نہیں لیا - بلکہ ان کو اپنا جسم بنا لیا - اس کی ترقی آہستہ ہوتی رہی ہے - کیونکہ ہر روز یہ اپنے جسم کا ایک حصہ باہر پھینکتی رہی ہے +

(۲) یہ زندگی کا سب سے پرسدھ نشان ہے - اِس عام اصُول میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟ مَیں تو بعض اوقات خیال کرتا ہوں - کہ جس شخص نے اس سبق کو سمجھ لیا - اور اپنے جیون میں دھارن کر لیا - اُس نے گویا جیون یاترا میں ایک بڑی منزل کو طے کر لیا - اور جِس نے اُسے نہیں سمجھا - یا سمجھ کر جیون میں دھارن نہیں کیا - اُس نے دس بیس سال تعلیم حاصل کر کے بھی کچھ نہیں سیکھا +

ہمارا جیون دو پرکار کا ہے - ایک شاریرک دوسرا مانسک - شاریرک جیون اُس وقت تک قائم رہ سکتا ہے - جب تک ہم اپنی اِرد گرد کی دُنیا سے اپنے مناسب حال خوراک جذب کرتے رہیں اور اپنے اندر سے ردّی مادّہ خارج کرتے رہیں - ہم سب جو زندہ ہیں - یہ دونوں عمل کرتے ہیں - بعض اچھی طرح سے اور بعض بھدّے طریق سے - ان دونوں عملوں میں کسی قسم کے نقص کا نام بیماری ہے - وَید کا کام یہی ہوتا ہے - کہ اس گڑبڑ کو پہچانے - اور اُسے دُور کرنے کا یتن کرے - اس سمبندھ میں جذب کرنے کے متعلّق کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئیے - اگر مَیں بازار سے پانچ سات سیر گوشت خرید کر جسم پر باندھ لیتا ہوں تو اس سے میری طاقت بڑھ نہیں جاتی - معدہ پر باندھا ہؤا سیب میرے لئے مفید نہیں - اگر بہت سے سیب معدہ میں بھی ٹھونس دیئے جائیں - تو بھی وہ مفید

نہیں ہوتے بلکہ مُضر ہوتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ سیب میرے لئے مُفید ہو۔ ضروری ہے۔ کہ سیب سیب کی حیثیت میں اپنی ہستی کھو دے۔ اور میرے گوشت کا گوشت اور ہڈی کی ہڈی بن جائے جبتک اس میں ایسی تبدیلی نہیں ہوئی میرے جسم نے اُسے جذب نہیں کیا۔ اپنا حصّہ نہیں بنایا +

اس جذب کرنے کے ساتھ ردّی مادّہ کا باہر پھینکنا بھی ضروری ہے۔ جب ردّی مادّہ باہر نہیں جاتا۔ تو جسمانی کل اپنا کام نہیں کر سکتی۔ یُونانی حکیم قبض کو بیماریوں کی ماں کہتے ہیں۔ اور اس میں وہ کچھ مُبالغہ نہیں کرتے۔ گیان کی زندگی میں ہم زندگی کے قانون سے کیا سیکھتے ہیں؟ یہ کہ جو کچھ ہم پڑھیں سمجھ سوچ کر پڑھیں۔ آجکل ہم اکثر سُنتے ہیں۔ کہ طالب علم سیکھتے کم ہیں۔ طوطے کی طرح رٹتے زیادہ ہیں۔ جو کچھ میں نے اوپر کہا ہے۔ وہ اصل پڑھنے اور رٹنے کا فرق ظاہر کرتا ہے۔ جو شخص رٹتا ہے۔ وہ اپنے نئے علم کو اپنی مانسک زندگی کا حصّہ نہیں بناتا۔ نئے خیالات اس کی مانسک زندگی میں جذب ہوئے بغیر اسی طرح پڑے رہتے ہیں۔ جس طرح ایک نارنگی معدہ سے بندھی ہُوئی۔ ضروری ہے۔ کہ جو کچھ ہم پڑھیں۔ اُسے ہضم کریں۔ اُسے اپنی زندگی کا حصّہ بنا دیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ جو خیال کام کا نہ رہے۔ اُسے پھینک دیا جائے۔ عام طور پر ناکارہ خیالات خود بخود پھینکے جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں اکثر اس کام کی اہمیّت معلوم نہیں ہوتی۔ یاد رکھنے کے لئے بھُلانا ایک

ضروری شرط ہے جسمانی زندگی کی طرح مانسک زندگی میں بھی ردّی مادہ کو باہر پھینکنا ضروری ہے - تاکہ اَور مفید چیزوں کے لئے جگہ نکل سکے - اگر مجھے اِس وقت تمام چیزوں کی شکلیں یاد ہوں - جو مَیں نے دیکھی ہیں - تمام آوازیں جو میں نے اس وقت سُنی ہیں - میرے کانوں میں گونج رہی ہوں تمام بُوئیں اور سواد خیال میں موجود ہوں - تو میری زندگی مصیبت کی زندگی ہو جائے - یہ بات ہم وکیلوں کی زندگی سے سب سے بہتر سمجھ سکتے ہیں - آج ایک وکیل عدالت میں جاتا ہے - اُس کے لئے یہ یاد رکھنا ضروری ہے - کہ نہالچند کی استری رام لال کی ماسی کے ساتھ ۱۵ بیساکھ کو لڑ پڑی تھی - اور نہال چند کی بھتیجی کا ایک زیور بھی رام لال کے گھر گم ہو گیا تھا - نیز یہ کہ نہالچند کے گواہ اُودھو داس - گمیر چند - اور کرشن گوپال اُسی دن وہاں لڑائی کے موقعہ پر موجود تھے - میرے اور آپ کے لئے یہ تفصیلیں بالکل غیر ضروری اور پھیکی ہیں - لیکن وکیل کے لئے ضروری ہیں - جب مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے - تو وکیل کا فائدہ اس میں ہے - کہ ان بیفائدہ تفصیلوں سے اپنے دماغ کو خالی کر دے - اور فقط اصول کو یاد رکھے جو اس مقدمہ میں ہے - اس طرح گیان کی زندگی میں بھی ہم سیکھتے ہیں - کہ جب تک جئیں نئے خیالات کو جذب کرتے جائیں - اور پُرانے خیالات کو جو بوسیدہ ہو گئے ہیں - ترک کرتے رہیں +

(۳) زندگی کا یہ قانون واحد انسانوں کی حالت میں ہی کام نہیں کرتا - بلکہ قوموں کی حالت میں بھی اس کا عمل ہوتا ہے - جو قوم زندہ ہے - وہ دوسروں کو اپنے آپ میں جذب کرتی ہے

اور ایسے حصّوں کو جو خود ناکارہ اور سڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے
باقی حصّہ قوم کو بھی ناکارہ کرنیوالے ہوں اپنے اندر سے خارج
کرتی ہے - مانسک زندگی میں وہ زمانہ کی رفتار کو سمجھتی ہے
اور نئے نئے خیالات کو جو زندگی کو زیادہ فراخ - زیادہ گہرا -
زیادہ میٹھا بناتے ہیں - اپنے اندر جذب کرتی ہے - اور
پُرانے بوسیدہ خیالات کو جو اب کام کے نہیں رہے - جن کا
زمانہ گذر چُکا ہے - ترک کرتی ہے - اس معیار کو برت کر ہندو
قوم کے متعلق ہم کیا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں؟ کیا یہ قوم
ایک زندہ قوم ہے؟ اگر اس میں زندگی موجود ہے - تو وہ زندگی
ایک بیمار قوم کی زندگی ہے - جس کے ہاضمہ کی طاقت بہت کم
ہے - اور جس کا جسم دن بدن گھُل گھُل کر دُبلا پتلا ہوتا جاتا ہے -
ہندوؤں نے غیر ہندوؤں کو اپنے اندر جذب کرنے کا تو سبق
ہی نہیں پڑھا - یُوں تو آریہ ورت کے قریباً سارے غیر ہندو
ہندو قوم سے نکل کر گئے ہیں - مگر جو ابھی ہماری آنکھوں
کے سامنے نکلے ہیں - اُنھیں واپس لینے میں بھی اعتراض
کیا جاتا ہے - اگر آریہ سماج کی کرپا سے شدّھی کا دروازہ
کھُلا بھی ہے - تو شدّھ کئے ہوئے لوگوں کو سوسائٹی جذب
نہیں کرتی - ان کی حالت اس نارنگی کی طرح ہے - جسے معدہ پر
باندھنے سے جسم کا انگ تصوّر کیا جاتا ہے - یہ تو ہضم کرنے
کا حال ہے - اب باہر نکالنے کا حال دیکھو - ہندوؤں کو
کبھی جُرات نہیں ہوئی - کہ ان لوگوں کو اپنے اندر سے خارج

کردیں - جو اخلاقی لحاظ سے گر جائیں - جھوٹا دغا باز
فریبی رشوت خوار زناکار آدمی ہندو بنا رہتا ہے - مگر نکالے
کون جاتے ہیں ؟ وہ جن کا قصور اخلاقی نہیں ہوتا - بلکہ کسی
رسم کے برخلاف ہوتا ہے - ہندو قوم کا اِتہاس ظاہر کرتا ہے
کہ ہندؤوں میں سے جو کروڑوں بھائی نکل کر غیر ہندو بن گئے ہیں اُنھیں
دھکیل کر سوسائٹی سے باہر نکالا گیا ہے -

(۴) بعض شخص کہیں گے - کہ اپنی قومیّت زندہ رکھنے کے
لئے ضروری ہے - کہ دوسروں کے خواص اپنے اندر جذب نہ کئے
جائیں - یہ خیال غلط اور مُضر ہے - دوسروں کی اچھّی باتیں اپنے
اندر جذب کرو - ہاں اتنا خیال رکھو - کہ دوسروں کی باتیں تمہیں
جذب نہیں کرتیں - جو شخص انگریزی ٹوپی اس لئے پہنتا ہے
کہ یہ آنکھوں کو گرمی سے بچاتی ہے - پگڑی سے ہلکی ہے - اور
ہندوستانی ٹوپی سے زیادہ مفید ہے - وہ انگریزی ٹوپی کو جذب
کرتا ہے - اُسے اپنے لباس کا حصّہ بناتا ہے - لیکن جو شخص
انگریزی ٹوپی اس خیال سے استعمال کرتا ہے - کہ اس کے
استعمال سے وہ ریل میں الگ کمرہ میں بیٹھ سکتا ہے - اور پولیس
کے کانسٹیبل وغیرہ اُسے سلام کرینگے - ایسے شخص کو انگریزی
ٹوپی نے جذب کر لیا ہے - ہر ایک شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے
کہ وہ دوسروں کی اچھّی چیزیں جذب کرتا ہے - یا دوسروں کی چیزیں
اُسے جذب کرتی ہیں - جذب کرنا زندگی کا نشان ہے - جذب
ہوجانا زندگی کھو دینے کا ثبوت ہے +

۷ - جہاں ہر ایک جاندار کی زندگی ظاہر کرتی ہے - کہ وہ ہر حصّہ عمر میں بیرونی اجزا کو اپنے آپ میں جذب کرتا اور اپنے اندر سے ناکارہ اجزا کو خارج کرتا ہے - وہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں - کہ یہ کام زیادہ تر اُس کی اپنی ہمّت پر نربھر رکھتا ہے - اس میں شک نہیں - کہ اگر پیپل کا درخت ایسی جگہ میں رکھا جائے - جہاں اس کی نشو ونما کے لئے کوئی مصالح موجود نہ ہو تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اس میں بھی شک نہیں - کہ محض اس مصالح کے موجود ہونے سے ہی پیپل نہیں بن جاتا - ایک ایسے بیج کی ضرورت ہے - جو اس مصالح کو استعمال کر سکتا اور اپنا بنا سکتا ہو - یہ کام اُسے آہستہ آہستہ کرنا پڑتا ہے - اِسی طرح ایک حیوان بیرُونی دُنیا کے اجزا کو جذب کرتا ہے - اس کام کے لئے اسے اپنی کوشش پر بھروسا کرنا ہوتا ہے - اور یہ کام آہستہ آہستہ لگاتار جاری رہتا ہے کوئی گائے اپنی بچھڑے کو پیدائش کے وقت ہی اپنے جسم کا ایک حصّہ دیکر بڑا نہیں بنا سکتی - بچھڑا خُود آہستہ آہستہ اپنی ہمّت سے بڑا ہو گا +

اپنی کوشش سے ہی ترقّی ہو سکتی ہے - یہ دوسرا سبق ہے جو جاندار قدرت کا مطالعہ ہمیں سکھلاتا ہے - جسمانی زندگی میں اگر یہ ممکن ہوتا - تو ہزاروں دولتمند غریبوں کا بنا بنایا مضبوط سڈول جسم خرید لیتے - اپنی غلط کاریوں کے بعد لوگوں کا معدہ لے کر اپنے اندر داخل کر لیتے - کمزور جسم رکھتے ہوئے دوسروں کا گوشت جسم سے باندھ لیتے - لیکن ایسا ہونا اسمبھو ہے - پرماتما کے راج

میں ہر ایک کو حالات مل جاتے ہیں۔ آگے جسم کا بنانا اس کا اپنا کام ہے۔ اسی طرح اگر میرے اختیار میں ہو۔ تو میں مرتے وقت اپنا ایم۔ اے اپنے لڑکے کو دیدوں۔ لیکن ایسا ہو نہیں سکتا۔ کاغذ کا پرچہ جو ایم۔ اے کی لیاقت کا نشان ہے۔ دوسرے کو دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایم۔ اے کی لیاقت حاصل کرنے کے لئے دوسرے شخص کو خود ہمّت کرنا پڑتی ہے۔ اور وہ بھی لگاتار برسوں تک۔ جسمانی زندگی میں ایک بچّہ ایک مہینہ میں ۵ - ۶ فٹ قد حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ سال بھر کی محنت کے بعد کہیں ایک دو انچ بڑھتا ہے۔ اسی طرح ذہنی ترقی کی حالت میں بھی کوئی شخص دوسرے کا دماغ دان یا اُدھار نہیں لے سکتا۔ ہر ایک شخص کو محنت اور مشقّت کے بعد یہ انعام ملتا ہے۔ یہی حال اخلاقی زندگی کا ہے۔ جیسا کانٹ نے کہا ہے:۔ "میرا پاپ میری چیز ہے۔ اور غیر منقولہ ہے۔ دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا"۔ ویسے ہی میں دوسرے کے لئے حالات بہتر کر سکتا ہوں۔ لیکن اُن سے فائدہ اُٹھانا نہ اُٹھانا اس کے اختیار میں ہے۔ انگریزی میں ایک مثل ہے۔ کہ "گھوڑی کو پکڑ کر تالاب پر لا سکتے ہیں لیکن یہ بات کہ وہ پانی پیئے یا نہ پیئے اس کے اپنے اختیار میں ہے"! میں کہتا ہوں۔ گھوڑے کی حالت میں ممکن ہے۔ کہ ہم زبردستی پانی اُس کے حلق میں ٹھونس دیں۔ لیکن نیکی یا بُرائی اس طرح ٹھونسی نہیں جا سکتی۔ سزا دے کر بھی ہم ایک شخص کے کاموں پر قابو پا سکتے ہیں۔ لیکن اس کا دل اس کے اختیار میں ہے۔

ممکن ہے۔ ایک شخص ڈر کی وجہ سے چوری نہ کرے۔ لیکن اس کے
دل میں چوری کی خواہش موجود رہے۔ اس کے دل تک پہنچنا ہماری
طاقت سے باہر ہے۔ پروفیسر سمتھ لکھتا ہے۔ کہ چونکہ انسان
آزاد ہے۔ اسلئے اس کا نیک یا بُرا ہونا اس کے اپنے ہاتھ میں ہے
دوسرے اس کے حالات کو بدل سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر
کچھ نہیں کر سکتے۔ یہانتک کہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ پرماتما
بھی اِنسان کو نیک بنا نہیں سکتا۔ انسان پتھر کی طرح نہیں۔ کہ
چاہا تو اُونچا رکھ دیا اور چاہا تو نیچا رکھ دیا +

یہ ویدک دھرم کا سِدّھانت ہے۔ جتنے زور سے کرموں کا مسئلہ
ہمارے ویدک دھرم میں سکھلایا گیا ہے۔ اُتنے زور سے اَور
کسی دھرم میں نہیں سکھلایا گیا۔ بُدھ مذہب اس لحاظ سے ویدک
دھرم کی سنتان ہے۔ اور اس لئے اس میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے
لیکن بائیبل قرآن اور پوران تینوں زندگی کے لئے اس بڑے
قانون کے متعلق غلط تعلیم دیتے ہیں۔ مثلاً بائیبل کہتی ہے
کہ چونکہ آدم اور حوّا نے چھ ہزار سال کے قریب گذرے
گندم کھانے یا گیان کے درخت کا پھل کھانے کا بھاری
اپرادھ کیا۔ اس لئے اس پاپ کی وجہ سے تمام اِنسان پاپی
پیدا ہوتے ہیں۔ گویا آدم اور حوّا نے اپنے لا انتہا ذخیرہ
سے تمام انسانوں کو پاپ دیدیا ہے۔ اور قیامت تک یہ
سدا برت جاری رکھیں گے۔ اسی طرح عیسےٰ نے تمام اِنسانوں
کے گناہوں کا کفارہ خود آپ سولی پر چڑھ کر کر دیا ہے۔ اِس کے

معنے یہ ہیں - کہ مسیح نے سب کا گناہ لے لیا - یا ان سب کو اپنا پُن دیدیا - اب آیندہ چھٹی ہوئی - کہ وہ مسیح خدا کا بیٹا ہے - اور بہشت میں ہمیشہ کیلئے آنند کرو - میں اس خیال پر اس وجہ سے اعتراض نہیں کرتا - کہ آدم کا گُناہ کوئی گناہ نہیں تھا - یا نہایت خفیف تھا - اور دائمی سدابرت کے لئے کافی نہیں تھا - نہ اس لئے کہ مسیح کی نیکی اور قُربانی تمام انسانوں کے گناہ کے کفارہ کے لئے ناکافی تھی - میرا اعتراض تو یہ ہے کہ آدم ایک انسان کو بھی اپنا گناہ دینے کے ناقابل تھا - جبتک کہ دوسرے آدمی نے خود اپنی آتما کو سیاہ کرنے کی نہ ٹھان لی ہو اور اسی طرح مسیح ایک شخص کو بھی نیکی دینے کے ناقابل تھا - جب تک کہ دوسرے آدمی نے خود نیکی کے لئے جدوجہد نہ کی ہو - جیسا ویدوں اور شاستروں میں بار بار آیا ہے - اور جیسا بُدّھ نے بھی کہا ہے "ہم اپنے کرموں سے ہی نیک بنتے ہیں - اور اپنے کرموں سے ہی بُرے بنتے ہیں ہم خود ہی اپنے کرموں کے پھل بھوگیں گے"۔ انگریزی شاعر شکسپیر نے درست کہا ہے "پرماتما ساری خوشیاں بیچتے ہیں - کوشش ان کی قیمت ہے۔ انسان کی اصلی خوشیاں وہی ہیں - جو وہ ہمّت سے حاصل کرتا ہے (جیتتا ہے)" +

۸ (۱) ہر ایک جیتا ہؤا جسم مختلف انگوں کا مجموعہ ہوتا ہے - یہ انگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں - ایک کا کام دوسرا نہیں کرسکتا - اور ہر ایک کا کام سارے جسم کی اچھی زندگی کے لئے اتنا ہی ضروری ہوتا ہے - جتنا کسی دوسرے انگ کا - آنکھ فقط دیکھتی ہے - سُننا یا سونگھنا - اس کا کام نہیں - معدہ خوراک کو ہضم کرتا ہے - دیکھنا یا جسم کو ایک جگہ سے

دوسری جگہ لے جانا اس کا کام نہیں۔ پاؤں جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ خوراک ہضم نہیں کرتے۔ اِس طرح مختلف انگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی انگ یہ حق نہیں رکھتا۔ کہ دوسرے انگوں سے نفرت کرے۔ کیونکہ ان کا کام نچلے درجہ کا ہے۔ جسم کے انگوں میں اس قسم کے اِیرشا دویش کا نشان دکھلائی نہیں دیتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر ان میں سے کسی انگ کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو دوسرے اس کے دُکھ کو دُور کرنے کے لئے یتن کرتے ہیں۔ میرے پاؤں کو بچھو کاٹتا ہے۔ مَیں درد محسوس کرتا ہوں۔ میری آنکھ میرے پاؤں کی طرف دیکھتی ہے۔ تاکہ معلوم کر سکے۔ کہ درد کا کارن کیا ہے۔ میرا ہاتھ پتھر اُٹھاتا ہے۔ تاکہ بچھو کو مار دے۔ زبان مدد کے لئے بولتی ہے۔ ڈاکٹر کو یا دوسرے لوگوں کو حالات سُناتی ہے۔ جسم کی زندگی کا نربھر اس قسم کی پرسپر سہائیتا پر ہے۔ فرض کرو۔ ایسی بپت کی حالت میں آنکھ کہتی ہے۔ پاؤں خود انوبھو کر کے جان لے کہ درد بچھو کے کاٹنے سے ہے۔ یا کانٹا چُبھنے کی وجہ سے۔ میرے دیکھنے میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوا۔ مَیں کیوں تشویش میں پڑوں؟ زبان کہتی ہے۔ مَیں حالات بیان نہیں کرتی۔ نہ مدد کے لئے شور مچاتی ہوں۔ پاؤں خود اپنا انتظام کرے۔ ہاتھ کہتا ہے۔ مَیں بچھو کو مارنے کے لئے پتھر نہیں اُٹھاؤنگا۔ پاؤں سے ہو سکتا ہے۔ تو خود پتھر کو دھکیل کر بچھو پر ڈال دے۔ ورنہ نشانتی کرے۔ ظاہر ہے۔ کہ ایسی حالت میں شریر کی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اگر قائم رہتی ہے۔ تو نہایت ادنےٰ درجہ کی زندگی ہوتی ہے

زیادہ … کرتا ہے؟
اس وقت ہماری جاتی کا سب سے کمزور حصہ ہمارے اناتھ اور اچھوت
قیمتی …ں ہیں؟ ہندو اِن دونو جماعتوں کے متعلق کتنی فکر کرے
کیونکہ …؟ اناتھوں کی رکھشا کے متعلق آریہ سماج کی کوشش سے
نہیں …تھے۔ جو کام قومی لحاظ سے ہو رہا تھا۔ وہ قریباً صفر تھا۔ خود سوامی
ہیں۔ …نے اپنی وصیت میں یہ کام آریہ سماج کے سپرد کیا۔ سوامی جی
… اپنی آواز چھوٹی جاتیوں کے حق میں اُٹھائی۔ اور گُن کرم اور
… سبھاو کو ورن کی بُنیاد میں رکھ کر بتایا۔ کہ جنم سے سارے انسان
… برابر ہیں۔ اور کسی کو حق نہیں۔ کہ وہ دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے
ہر ایک … دیکھے۔ آریہ سماج نے سوامی جی کے خیال کو عملی شکل دینے میں
… قدم کیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج جو سوالات ہندو قوم کی
… کے سامنے ہیں۔ ان میں سے غالباً سب سے بڑا سوال
… اچھوت جاتیوں کا سوال ہو گیا ہے۔ اس وقت تک ان جاتیوں
… اور اناتھوں کے متعلق ہندو قوم نے زیادہ کیا نہیں لیکن خیال
… پیدا ہو گیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ یہ بڑھتی ہوئی زندگی
کا نشان ہے۔ زندگی کے اس نشان کو ایک معیار کی طرح برت کر مجھے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندوؤں کی قومی زندگی سوامی دیانند کے کام
سے پہلے قریباً صفر کے برابر تھی۔ سوامی دیانند نے اور ان کے
پیچھے آریہ سماج نے یہ زندگی پیدا کی ہے۔ اور سوامی دیانند کو ہندو قوم
کا جیون داتا کہنا امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے۔

۹- ایک اَور سبق ہے۔ جو قدرت کے مطالعہ سے ہمیں ملتا ہے! اور

(۲) اپنی علیحدہ زندگی میں ہم اس اصول سے زیادہ سیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ہماری اپنی الگ زندگی میں یہ اصول ہر وقت کام کر رہا ہے۔ لیکن ساماجک زندگی میں اس سے ایک قیمتی سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ سوسائٹی بالکل ایک جسم کی طرح نہیں۔ کیونکہ جسم کے مختلف انگ ایکدوسرے سے الگ اپنی ہستی ہی نہیں رکھ سکتے۔ وہاں سوسائٹی کے ممبر اپنی آزاد زندگی رکھتے ہیں۔ بہت ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ ساماجک جیون میں اخلاقی آدرش یہ ہے۔ کہ سوسائٹی کے مختلف حصّوں میں ویسی ہی ایکتا آتی جائے۔ جیسی کہ ایک جسم کے انگوں میں ہوتی ہے۔ جاتی کے مختلف بھاگ اِس بات کو سمجھیں۔ کہ گو ان میں سے ہر ایک وشیش کام کرتا ہے۔ تاہم کسی کا حق نہیں۔ کہ دوسرے حصّہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے جس طرح ایک جسم میں ایک انگ کی تکلیف باقی انگ محسُوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اُونّت جاتی میں ایک حصّہ کی تکلیف دوسرے حصّے انوبھو کرتے ہیں۔ اور جو حصّہ تکلیف میں ہوتا ہے۔ اس کے دُکھ ہرن کے لئے سارے یتن کرتے ہیں۔ اُسے ہر قسم کا آرام دیتے ہیں +

(۳) کیا ہندو جاتی اس معیار کے مطابق ایک زندہ قوم ہے؟ کیا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک حصّہ کی تکلیف دوسرے حصّے محسُوس کرتے ہیں؟ کیا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر ایک حصّہ خاص تکلیف میں ہے۔ تو دوسرے حصّوں کو اس کے دُکھ نوارن کے بغیر باقی سارے خیال بھُول جاتے ہیں؟ کیا سب سے کمزور حصّہ سب سے زیادہ ہمدردی

نے دنیا کو ایک عالیشان باغ بنا دیا ہے۔ وہ دُور دُور سے بیج اُٹھا کر پودوں پر پہنچاتے ہیں۔ اور اس سے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ پرندے درختوں کے پھل کھاتے ہیں۔ اور اُن کی گٹھلیاں اُٹھا کر دُور دراز جگہوں میں پھینکتے ہیں۔ جس سے اور درخت پیدا ہوتے ہیں۔ گویا نباتاتی دُنیا میں خوبصورتی کی تہ میں دو اصُول کام کرتے ہیں۔

(ا) پودوں اور جانداروں کا ملکر کام کرنا

(ب) قُربانی۔ جانداروں کا پودوں کے لئے اور پودوں کا جانداروں کے لئے قربانی کرنا۔

جانداروں میں سوندریہ کا مرکز سنتان ہے۔ ماں باپ کو سب سے زیادہ خوبصورت چیز اپنا بچّہ معلوم ہوتا ہے۔ بچّہ بھی اس لئے خوبصورت ہے۔ کہ ماں باپ نے اُسکے بنانے کے لئے اپنے جسم کے ٹکڑوں کو کاٹا ہے اور اپنا آپ خرچ کیا ہے۔ روپیہ پیسہ وقت کا حصّہ خرچ کرنا بھی قربانی ہے لیکن اس سے بڑھکر قربانی اپنے عزیز جسم کا حصّہ خرچ کرنا ہے۔ اور وہ قربانی ماں باپ بچّے کے لئے کرتے ہیں۔ اُن کا ملکر کام کرنا بھی ظاہر ہے کیونکہ شادی کے بعد پتی اور استری اپنی جُدا جُدا زندگی ترک کر دیتے ہیں اور دونوں ملکر گویا ایک زندگی بناتے ہیں۔ شادی کا رشتہ اس لحاظ سے ایک انوکھا اور لاثانی رشتہ ہے۔

(۳) یہ اصُول ہر ایک کے جیون اور قومی جیون میں ایک قیمتی اصُول ہے۔ زندگی کی مٹھاس کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم ملکر کام کریں۔ اور ایکدوسرے کے لئے قربانی کریں۔ ملکر کام کرنے کے متعلق میں ابھی کہہ چُکا ہوں۔ جیون کے سُکھ جیون کی اُونتی اور جیون کی مٹھاس کیلئے

اب آخیر میں میں آپ کی توجہ اس کی طرف دلاتا ہوں - قدرت اور جو کچھ ہے - کم از کم خوبصورتی کا بھنڈار ضرور ہے - نباتات کا حصہ ایک باغ بنا ہؤا ہے - جہاں درخت باقاعدہ قطاروں میں نہیں اور پھول نہیں دیتے - وہاں بھی ایک لطف ہے - جس کے محسوس کرنے کیلئے آنکھ اور دل کی ضرورت ہے - جاندار قدرت میں خوبصورتی کا کوئی انت نہیں - شاید آپ کہیں - کہ بچھڑی کا جسم خوبصورت نہیں اُس کی آواز میں راگ نہیں لیکن ان دونو باتوں کے متعلق اُسکی ماتا کی رائے آپ سے مختلف ہے - جو انڈا آپ کو شائد بھدا معلوم ہوتا ہے بطخ نہایت فرط محبت سے اُس کی رکھشا کرتی ہے اور اُس کے مقابلہ میں سب سے خوبصورت استری اس کی نظروں میں ہیچ ہے - انسان انسانوں کو دوسرے جانداروں کی نسبت خوبصورت سمجھتے ہیں - اور اُس کے آگے ہی تمیز کرتے ہیں - جو خوبصورتی ایک ماتا اپنے بچے کے خط و خال میں اُس کی بناوٹ میں دیکھ سکتی ہے وہ آپ کی آنکھ نہیں دیکھتی - جو سُریلی آواز وہ اپنے بچے کے شبدوں میں سُنتی ہے - وہ آپ نہیں سُنتے + دنیا میں کوئی چیز نہیں - جس کے سوندیہ کو کوئی نہ کوئی آنکھ محسوس نہیں کرتی - ہر ایک لیلی کے لئے ایک مجنوں ہے - اور جیسا کہا گیا ہے - لیلی کو مجنوں کی آنکھ سے دیکھنا چاہیئے -

(۲) اس خوبصورتی کی تہ میں کیا طاقت کام کرتی ہے ؟ یہ سوال سوچنے کے قابل ہے - نباتاتی دُنیا کے متعلق سائنس کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے - کہ پرندوں اور ننھے کیڑوں مکوڑوں

مُصنّف کی دوسری تصنیف

دُنیا کے نو مہاپُرش

اس کتاب میں سُقراط - ایپک ٹٹس - بنجمن فرینکلن - گارفیلڈ - رامچندر جی - مہاراج یُدھشٹر - مہاتما بُدّھ - گورو گوبند سنگھ اور سوامی دیانند سرسوتی کے حالات بیان کئے گئے ہیں - اور اُن کے کیریکٹر پر اُن کی زندگیوں کے واقعات کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب دلچسپ اور سبق آموز تذکروں سے پُر ہے - ۱۷۲ صفحہ

قیمت ۱۲

دُنیا کے نو مہاپُرش اور آریہ سِدّھانت

دونو کتابیں

مینیجر آریہ گزٹ لاہور سے مل سکتی ہیں

ARYA BANDHU
G. K. U.